معمولاتُ الابرار بمعانی الآثار

مؤلّفہ

شیخ الحدیث علّامہ عبد المصطفٰی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

باہتمام سیّد شاہ ترابُ الحق قادری

ناشر
حنفیہ پاک پبلی کیشنز کراچی
بالمقابل شہید مسجد کھارادر کراچی نمبر ۲

نام کتاب : معمولاتُ الابرار بمعانی الآثار
مؤلف : شیخ الحدیث علامہ عبد المصطفٰی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
باہتمام : سیّد شاہ تراب الحق قادری
معاونت : علامہ عبد الحکیم شرف قادری
پیش کش : غلام محمد قادری
ضخامت : ۱۹۶ صفحات ۲۰×۳۰/۱۶ آفسٹ
باراوّل و دوم : سنہ ۱۹۷۷ء گھوسی اعظم گڑھ یوپی
بار سوم : محرم الحرام سنہ ۱۴۰۸ھ بمطابق ستمبر سنہ ۱۹۸۷ء کراچی
ناشر : حنفیہ پاک پبلی کیشنز کراچی
تعداد : تقریباً ایک ہزار
مطبع : مشہور آفسٹ پریس کراچی ۱
ہدیہ :

ملنے کا پتہ

• حنفیہ پاک پبلی کیشنز کراچی

بالمقابل شہید مسجد۔ کھارادر کراچی نمبر ۲

• دار الکتب حنفیہ کراچی

نزد بسم اللہ مسجد کھارادر کراچی نمبر ۲

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۱	احکامات مزارات	۱۳۲
۵۲	فاتحہ	"
۵۳	ایصال ثواب	۱۳۳
۵۴	کھانا سامنے رکھکر تلاوت	۱۳۴
۵۵	ہاتھ اٹھاکر فاتحہ	۱۳۵
۵۶	عُرس	۱۳۶
۵۷	ایک ضروری تنبیہ	۱۳۸
۵۸	قُبَّہ مزارات	۱۳۹
۵۹	فائدہ	۱۴۱
۶۰	غلاف و چادر	۱۴۲
۶۱	برگ و گل	۱۴۳
۶۲	روشنی مزارات	۱۴۵
۶۳	تصرفات و فیضان ارواح	۱۴۶
۶۴	مختصر تاریخ مصنف بقلم خود	۱۵۰
۶۵	خاندانی تذکرہ	۱۵۰
۶۶	خاندان کے چند اہل علم	۱۵۱
۶۷	میرا بچپن	۱۵۳
۶۸	تعلیم و تربیت	۱۵۴

باسمہٖ سبحانہٗ

تقریظ جمیل

حضرت علامہ مولینا ادریس حسن عرف غلام جیلانی صاحب قبلہ قادری چشتی جہانگیری صدر الصدور و شیخ الحدیث دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی یوپی۔

میں نے "اصل ارشد علامہ عبد المصطفیٰ صاحب اعظمی شیخ الحدیث مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کی کتاب مستطاب "معمولات الابرار بمعانی الآثار" کا اکثر جگہوں سے مطالعہ کیا اور اس کتاب کو عوام و خواص کے لئے بہت مفید پایا، تصوف کے موضوع پر اس کتاب کو جس نئے، نرالے، انوکھے پیرایہ میں مصنف نے تحریر فرمایا ہے اسے دیکھکر آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوا۔ مولیٰ عز و جل انکو دنیا و آخرت میں اسکی جزائے خیر عطا فرمائے اور انکو اس قسم کی کتابوں کی تصنیف و تالیف کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

ادریس حسن غلام جیلانی قادری چشتی جہانگیری
دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف
ضلع بستی (یوپی)
۲۰ شعبان ۱۳۸۴ھ

۷۸۶
۹۲

تعارف

فاضل گرامی حضرت مولینا محمد صابر القادری نسیم بستوی زید مجدہم

دنیائے اسلام وسنیت میں حضرت استاذ محترم علامہ الحاج مولینا عبد المصطفیٰ صاحب قبلہ اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی ذات گرامی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نہ صرف یہ کہ ایک زبردست عالم دین سحر بیان خطیب، صاحب طرز شاعر اور قابل فخر مدرس و فقیہہ ہیں بلکہ ساتھ ہی ساتھ کہنہ مشق انشا پرداز بھی ہیں جس کے ثبوت میں آپ کی گراں مایہ تصانیف اور زیر نظر تصنیف "معمولات الابرار" پیش کیجا سکتی ہیں۔

آپ ملک کی بڑی بڑی درسگاہوں میں تدریس کے ممتاز واعلیٰ منصب پر فائز رہ کر اسلام وسنیت کی بے لوث خدمت انجام دے چکے ہیں اور اس وقت بھی اسی مبارک مشغلہ میں مصروف ہیں۔ آپ کی مبارک تصنیف "معمولات الابرار بمعانی الآثار" صوری ومعنوی حسن وجمال کی تمام تر رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ منظر عام پر آرہی ہے جو تصوف کے بنیادی مسائل واحکام پر مشتمل ہے اور اپنے اندر افادیت وتاثر کے گراں قدر لعل وگہر رکھتی ہے۔

کتاب کے مضامین کی نوعیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیائے اسلام وسنیت میں اس کا شاندار خیر مقدم ہوگا اور عظیم المرتبت علمائے کرام اور ارباب بصیرت مشائخ عظام اس کو قدر کی نگاہوں سے ملاحظہ فرمائیں گے۔

رب العالمین حضرت مصنف عمت فیوضہم کا وجود مسعود صحت وعافیت کے ساتھ عرصۂ دراز تک قائم ودائم رکھے اور مسلمانوں کو حضرت کے علمی تجربات سے بہرہ اندوز ہونے کا بیش از بیش موقع عنایت فرمائے۔ آمین، ثم آمین بحرمۃ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین الصلوٰۃ والتسلیم۔

ابوالفخر محمد صابر القادری نسیم بستوی غفرلہٗ
مدرس دارالعلوم فیض الرسول
براؤں شریف
۲۲ر شعبان المکرم ۱۳۸۴ھ

تمہید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَولَانَا مُحَمَّدٍ اشرَفِ المُرسَلِینَ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ المُرشِدِینَ وَ اَصحَابِہِ المُرِیدِینَ بِرَضَاءِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔ اَلمُجَاھِدِینَ فِی مَعمُولَاتِ الدِّینِ۔ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنہُم اَجمَعِینَ۔

....

امابعد! اس پُرفتن دور میں جہاں بہت سے مسائل دشمنان اسلام کی رخنہ اندازیوں کا شکار ہو گئے "تصوّف اور پیری مریدی" کا مسئلہ بھی ان کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا۔ اور یہ مسئلہ ایک عجیب گونگو چیستان بن کر رہ گیا ہے۔ دشمنان دین جنھوں نے اہل اللہ کی مخالفت اور شجر اسلام کی بیخ کنی ہی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔ جن کا مورث اعلیٰ اَنَا خَیرٌ مِّنہُ کہکر بارگاہ الٰہی میں بھی اعتراض سے نہیں چوکا۔ یہ بدنصیب لوگ بھلا کب اعتراض سے چوکنے والے تھے۔ ان لوگوں نے تو سرے سے تصوّف کی مشروعیت واصلیت ہی کا انکار کر دیا۔ اور تمام معمولات صوفیہ کو

ہندو جوگیوں اور سادھوؤں کی تعلیم بتاتے ہوئے بہ اک جنبش قلم بدعت سیئہ، الحاد اور شرک کا فتویٰ دے دیا۔ خود سوادِ اعظم اہلسنّت کا گروہ اگرچہ اس کا قائل و عامل ہے۔ مگر ان میں سُنّی کہلانے والے نااہل پیروں اور جاہل فقیروں نے اپنے طریقہ کار سے اس مسئلے میں ایسا ظلم وستم روا رکھا ہے کہ مشیخت تو کجا ان کی مضحکہ خیز و ننگ انسانیت حرکتوں پر جس قدر بھی ماتم کیا جائے کم ہے۔ اور در حقیقت انکی ناشائستہ حرکات ہی نے مخالفین کو استہزا کا موقع اور مضحکہ خیزی کی جرائت دلائی حتی کہ آج ہر طفل مکتب اہل اللہ پر زبان طعن دراز کرنے کو تیار رہے۔ یہ سب کیوں ہوا؟ اس لئے اور صرف اس لئے کہ اس زمانے میں بہت سے نا اہل اور عامتہ الناس پیر بن بیٹھے۔ پابندی شریعت و اوصاف طریقت کا پیر میں ہونا کچھ ضروری نہ سمجھا گیا۔ رنگین کپڑے تسبیح وعصا تعویذ گنڈے اور جھاڑ پھونک کو مشیخت و پیری کا معیار قرار دے دیا گیا۔ اور ان کور باطنوں کی شعبدہ بازیوں کو کرامت اور ان کی بد اعمالیوں کو رموز معرفت اور اسرار طریقت سمجھا جانے لگا۔ کوئی محض اس لئے پیر بن بیٹھا کہ وہ کسی پیر کی اولاد میں ہے۔ اگرچہ اسے اہل سلوک کی خلافت و اجازت تو کجا صحبت و زیارت بھی نصیب نہیں ہوئی۔ بیٹا باپ کے بعد جس طرح اس کی جائداد کا وارث ہوتا ہے اسی طرح اس کی خلافت و جانشینی کو بھی اپنا شرعی حق سمجھتا ہے۔ پھر حالت یہ کہ کسی نے ڈاڑھی مونچھ اور

ابرو کا صفایا کیا اور خاندان قلندریہ کا پیر بن گیا کوئی رنگین کپڑے چھلّے، چوڑیاں پہن کر سدا سہاگ کا فقیر بن گیا۔ کوئی انگارا شاہ کوئی چنگارا شاہ کوئی رنگیلے شاہ کہلایا پھر یہ ظلم وستم کہ نماز روزہ، حج وزکوٰۃ اور تمام قیود شرعیہ سے یہ کہکر چھٹکارا حاصل کرلیا کہ میاں ہم تو اہل طریقت فقراء ہیں۔ ہم کو پابندی شریعت سے کیا مطلب؟ شریعت اور ہے طریقت اور۔ معاذ اللہ ایسے ہی مکاروں کے بارے میں مولانا رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا ؎

کار شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی اینست لعنت بر ولی

ان ناشائستہ حالات اور افراط وتفریط کو دیکھ کر اہل سنت کے ارباب بصیرت کا دل وجگر شق ہو جاتا ہے اور وہ خون کے آنسو روتے ہیں اس لئے بارہا یہ خیال ہوا کہ ایک ایسا رسالہ لکھا جائے جس میں اہل تصوّف کی صحیح تعلیمات قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ کی روشنی میں پیش کی جائیں تاکہ اس کے قائلین وعاملین کے لئے ہادی سبیل، اور منکرین ومانعین کے لئے حجارۃٌ من سجّیل ثابت ہوں۔ مگر اپنی کم علمی نیز مشاغل درس وتدریس کی وجہ سے عدیم الفرصتی ہمیشہ مانع رہی یہاں تک کہ توفیق ربانی نے دستگیری فرمائی کہ باوجود اپنی بے مائگی کے اپنے قلیل ترین اوقات فرصت میں ان سطور کی تحریر وتالیف کا عزم کرلیا۔

میں اپنی اس حقیر و ناچیز خدمت دین کو اپنے مرشد برحق سیدی
وسندی حضرت الحاج حافظ شاہ ابرار حسن خاں صاحب قبلہ نقشبندی
مجددی شاہجہاں پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی و اسم گرامی کیساتھ
موسوم کرتا ہوں۔ اور "معمولات الابرار بمعانی الآثار" نام رکھتا ہوں
اور دعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس حقیر ترین خدمت دین کو قبول فرماکر
منکرین کے لئے باعث رشد و ہدایت، اور قائلین و عاملین کے لئے
موجب تسکین و طمانینت فرمائے۔ اور مجھ گناہگار کے لئے کہ جس کے
نامۂ اعمال میں بجز سیئات کوئی پونجی نہیں، زاد آخرت و ذریعۂ مغفرت
بنائے۔ (آمین)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

عبد المصطفےٰ الاعظمی المجددی عفی عنہٗ
۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ
"گھوسی"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم
وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ افضل الصلوٰۃ والتسلیم

تصوّف کیا ہے؟

علم باطن، یا تصوف کیا ہے؟ یہ ایک نہایت ہی علمی سوال ہے لیکن اسے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے یہ تاریخی سوال حل کر دیا جائے کہ اسلام میں "علماء اور صوفیہ کی دو ممتاز جماعتیں کب؟ اور کیسے؟ اور کیوں؟ پیدا ہوئیں۔ اس لئے اس تفریق و تقسیم کا حال اور اس کی ابتدا کا مختصر تذکرہ یہاں نہایت مناسب ہے جو بجائے خود ایک نہایت لطیف و انتہائی دلچسپ بحث ہے۔

مولوی و صوفی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں چونکہ آفتاب رسالت کی تمامتر تجلیوں سے ہر مسلمان بلاواسطہ روشنی حاصل کرتا تھا اور تعلیم نبوی کی بدولت ہر شخص جہاں ظاہری علوم و اعمال شریعت سے مزین تھا۔ وہاں فیض صحبت سے تزکیۂ قلب کر کے علم باطن کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ یعنی نماز روزہ زکوٰۃ و حج کے فرائض کے ساتھ ساتھ ذکر و شغل اور تفکر

و مراقبہ سے بھی کوئی غافل نہ تھا۔ لہٰذا ان کی اس جامعیت کی وجہ سے ان میں باہم اعمال کے اعتبار سے **مولوی و صوفی وغیرہ** کی کوئی تفریق و تقسیم نہ تھی۔ اور "**اصحاب یا صحابہ**" کے سوا ان بزرگوں کے لئے کوئی مخصوص نام نہ تھے۔

پھر بعض صحابہ کا بعض خاص خاص اعمال میں دوسرے صحابہ سے ممتاز و مشہور ہونا مثلاً اصحاب صُفّہ کا ترک دنیا و زہد میں دیگر صحابہ سے ممتاز ہونا اس بات کی بین دلیل ہے کہ عہد صحابہ میں بھی اگرچہ اس تقسیم کا چرچا تو نہ تھا لیکن ایک دُھندلا سا خاکہ ضرور موجود تھا۔ پھر جب تابعین کرام کا زمانہ آیا تو یہ تقسیم جس کا دورِ صحابہ میں صرف خاکہ تھا۔ اور زیادہ اُجاگر ہو کر نمایاں ہونے لگی۔ یہاں تک کہ تبع تابعین کے زمانے میں تقسیم اس قدر واضح و مشہور ہو گئی کہ زبان زدِ خاص و عام ہو گئی اور درحقیقت یہی دور اس تقسیم کی علانیہ ابتدا کا زمانہ ہے جو زمانۂ نبوت سے تقریباً دو صدی یا کچھ کم کا واقعہ ہے۔

پھر جب علوم شرعیہ کی تدوین و تحریر کا زمانہ آیا۔ اور شریعت مقدسہ کے نشر و اشاعت کا چرچا زیادہ بڑھا تو اس وقت تقسیم عمل کے اعتبار سے ان دونوں مقدس جماعتوں میں فرق اور زیادہ روشن ہو کر نمایاں ہونے لگا۔ چنانچہ جو گروہ علوم شرعیہ کی تدوین و اشاعت میں مشغول ہوا۔ وہ علماء کے مقدس لقب سے مشہور ہوا۔ پھر ان میں بھی خصوصیت خدمات کے لحاظ سے چند جماعتیں بن گئیں۔

اور محدثین، فقہاء، مفسرین، متکلمین وغیرہ مختلف ناموں کے ساتھ یہ لوگ موسوم ہو گئے۔

لیکن وہ مقدس جماعت جنھوں نے علم ظاہری کے بعد اپنی تمامتر توجہ اصلاح باطن و تزکیۂ نفس پر رکھی جو معرفت الٰہی کا خاص الخاص ذریعہ ہے وہ "مشائخ وصوفیہ" کہلانے لگے۔ اور اصلاح باطن و تزکیہ نفس کے انہی مُبارک طریقوں کا نام "تصوّف" ہوگیا۔

چنانچہ علامہ ابو القاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ نے اپنے رسالے میں فرمایا۔

"جان لو۔ خدا تم پر رحمت کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں کی بزرگ ہستیوں کا اُن کے زمانے میں صحبت نبوی کے سوا کوئی دوسرا نام نہیں رکھا گیا۔ اور اُن کو صحابہ ہی کہا گیا کیونکہ اس سے بڑی کوئی فضیلت نہیں تھی پھر جب دوسرا دور آیا تو صحابہ کے صحبت یافتہ لوگوں کا نام "تابعین" رکھا گیا۔ پھر ان کی صحبت اٹھانے والوں کو "تبع تابعین" کہنے لگے۔ پھر جب مختلف گروہ پیدا ہو گئے۔ تو وہ خاص لوگ جنکی توجہ دینداری کی طرف بہت زیادہ بڑھی ہوئی تھی "زُھّاد وعُبّاد" کہلانے لگے۔ اس کے بعد جب بدعات کا ظہور ہو گیا اور تمام فرقے یہ دعوی کرنے لگے کہ "زُھّاد" انہی میں ہیں۔ تو "اھلسنت" نے جو اپنے نفسوں کی اللہ سے لَو لگانے والے اور عوارض غفلت سے اپنے قلوب کی حفاظت کرنیوالے تھے، "تصوّف" کے

نام سے اپنے آپ کو تمام فرقوں سے ممتاز کیا۔ اور یہ نام (تصوف)
ان بزرگوں کے لئے ۲۰۰ھ سے قبل ہی مشہور ہو چکا تھا۔

صوفی و متصوف | یہ لفظ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا دورِ صحابہ میں موجود نہیں تھا۔ بلکہ "مولوی وملا" کی طرح یہ لفظ بھی زمانۂ نبوت کے بعد پیدا ہو کر ایک مخصوص جماعت کے لئے لقب قرار پایا چنانچہ علامہ ابو القاسم قُشیری کا بیان ہے کہ ۔

هٰذِهِ التَّسْمِيَةُ غَلَبَتْ عَلٰى هٰذِهِ الطَّائِفَةِ فَيُقَالُ لِرَجُلٍ صُوْفِيٌّ وَلِلْجَمَاعَةِ صُوْفِيَةٌ وَمَنْ يَتَوَصَّلُ اِلٰى ذٰلِكَ يُقَالُ لَهٗ مُتَصَوِّفٌ وَلِلْجَمَاعَةِ الْمُتَصَوِّفَةِ

یہ نام (صوفی) اسی جماعت (مشائخ) کے لئے کثیر الاستعمال ہو گیا ہے چنانچہ ایک شخص کو صوفی کہا جانے لگا۔ اور پوری جماعت صوفیہ کہلانے لگی اور جو ان لوگوں تک رسائی حاصل کرنے لگے اگر ایک شخص ہو تو متصوف کہلائے گا اور پوری جماعت کو متصوفہ کہا جائے گا۔

بعض کا قول ہے کہ صوفی لفظ صُوف (بالضم) سے مشتق ہے۔ صُوف اُون یا اونی کپڑے کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ حضرات ظاہری زیب و زینت کو ترک کر کے کمبل یا موٹے موٹے اُونی کپڑے پہنتے تھے اس لئے صُوفی کہلائے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ لفظ "صَوف" (بالفتح) سے بنایا گیا ہے جسکے معنی ہیں ایک طرف ہو جانا۔ چونکہ یہ جماعت غیر اللہ سے منہ موڑ کر ہمہ تن اللہ کیطرف متوجہ ہو گئی اسلئے صوفی کہلائی۔ اس کے علاوہ اور بھی چند

اقوال ہیں۔ لیکن ہمیں اس بارے میں علامہ قُشیری کی بات زیادہ پسند ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ

وَلَيْسَ يَشْهَدُ لِهٰذَا الْاِسْمِ	اس نام (صوفی) کیلئے عربیت کی حیثیت
مِنْ حَيْثُ الْعَرَبِيَّةِ قِيَاسٌ	سے کسی قیاس و اشتقاق کی شہادت
وَلَا اشْتِقَاقٌ وَالْاَظْهَرُ	نہیں ملتی اور زیادہ ظاہر اس کے بارے
فِيْهِ اِنَّهٗ كَاللَّقَبِ۔	میں یہ ہے کہ یہ مثل لقب کے ہے۔

بہرحال "صوفی" کی وجہ تسمیہ خواہ کچھ ہی سہی۔ لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ صوفیہ کی جماعت کوئی نیا فرقہ ہے جس کو تعلیم نبوی سے کوئی تعلق نہیں معاذاللہ ایسا ہرگز نہیں۔ کیونکہ بعینہٖ یہی کیفیت لفظ "**مولوی**" کی بھی ہے کہ لفظ "**مولوی**" ابتدائے اسلام میں موجود نہ تھا۔ اور نہ ہی درس و تدریس اور فتویٰ کا موجودہ طریقہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کے زمانے میں تھا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ مولوی کی تعلیمات تو عہد رسالت کی تعلیم ٹھہرے۔ اور صوفیائے کرام کے معمولات بدعت قرار پائیں "حاشا و کلا" ہرگز نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ علماء و صوفیہ ہر دو جماعت ایک ہی شجر نبوت کی دو شاخیں ہیں جو اصل سے نکل کر ممتاز ہوگئی ہیں۔ جس طرح علماء علم ظاہر کے معلّم اور شریعت کے مبلغ ہیں، اسی طرح صوفیہ علم باطن کے عامل اور طریقت کے رہنما ہیں۔ علمائے کرام شرعی دلیلوں سے احکام شریعت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور صوفیہ فیض باطن سے قلب کی صفائی کر لینے کے بعد شریعت کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہیں لیکن

دونوں کی تعلیم کا سرچشمہ ذات والاصفات جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جگہ جگہ مکتوبات میں اس کی تصریح فرمائی کہ

طریقت وحقیقت کہ صوفیہ بآں ممتاز گشتہ ہر دو خادم شریعت اند۔ پس مقصود از تحصیل آں ہر دو شریعت است نہ امر دیگر۔	طریقت وحقیقت جوکہ صوفیہ اس کے ساتھ ممتاز ہوئے دونوں شریعت کے خادم ہیں۔ لہذا ان دونوں کے حاصل کرنے سے شریعت ہی کی تکمیل مقصود ہے۔ اور کوئی دوسری چیز نہیں

صوفی اور جوگی

بعض ناواقفوں کا خیال ہے کہ معمولات صوفیہ کا تعلیمات اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ فتح ہندوستان کے بعد ہندو جوگیوں اور سادھوں کے میں جول سے مسلمانوں میں ان مسائل کی اشاعت ہوئی لیکن یہ خیال خام سراسر جہالت ہے۔ کیونکہ فتح ہندوستان کے بہت پہلے سے صوفیہ اپنے معمولات کے پابند تھے۔ جو خود فتح ہندوستان کی مہم میں فاتحین کے ساتھ کثرت سے ہندوستان میں وارد ہوئے بلکہ سچ پوچھئے تو ہندوستان میں اشاعت اسلام کا باعث یہی نفوس قدسیہ تھے کہ ان کی نورانی صورتوں اور کرامات وتقویٰ کو دیکھکر غیر مسلموں کے دل میں جذبہ اسلام پیدا ہوتا۔ اور وہ قبول اسلام پر بے اختیار مائل ہوتے تھے۔ اس قسم کے واقعات تحریر کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے! مشائخ کے تذکرے، مستند شجرے، معتبر تاریخیں

اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ ہندوستان تو کیا؟ جب اسلام جزیرۃ العرب سے بھی باہر نہ آیا تھا اُسی وقت سے یہ مشائخ اور ان کے معمولات تصوف موجود تھے۔ چنانچہ علامہ ابوالقاسم قُشیری کا بیان ہے کہ:۔

لَمْ يَكُنْ مِنَ الْاَعْصَارِ فِي مُدَّةِ الْاِسْلَامِ اِلَّا وَفِيْهِ شَيْخٌ مِنْ شُيُوْخِ هٰذِهِ الطَّائِفَةِ مَنْ لَهٗ عُلُوْمُ التَّوْحِيْدِ وَاِمَامَةُ الْقَوْمِ وَاَئِمَّةُ ذٰلِكَ الْوَقْتِ مِنَ الْعُلَمَاءِ اُسْتَسْلَمُوْا لِذٰلِكَ الشَّيْخِ وَتَوَاضَعُوْا لَهٗ وَتَبَرَّكُوْا بِهٖ۔

مدت اسلام میں کوئی بھی ایسا دور نہیں گذرا ہے کہ اس جماعت (صوفیہ) کے مشائخ میں سے کوئی شیخ نہ رہا ہو۔ یہی علوم توحید کا ماہر۔ اور قوم (مسلم) کا امام تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور اس وقت کے بڑے بڑے علماء (ظاہر) اُس شیخ کے حضور مطیع و متواضع ہوتے تھے اور اُن سے برکت حاصل کرتے تھے۔

چنانچہ شیخ ابوطالب مکّی نے قوت القلوب میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ علمائے ظاہر یعنی فقہا و مجتہدین پر جب کسی مسئلے کے حل میں مشکل پڑتی اور دلیلوں کے تعارض کی وجہ سے وہ پریشان حال ہو جاتے۔ تو مشائخ وصوفیہ کی طرف رجوع کرتے اور ان کے فیض باطنی کی بدولت اپنی علمی مشکلات کو حل کرتے۔ چنانچہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ باوجود اپنی جلالت شان کے جب بھی اُن پر کوئی مسئلہ مشتبہ ہو جاتا تو اپنے دور کے صوفیائے کرام کی خانقاہوں میں حاضر ہوتے اور اُن سے سوال کرتے۔ خصوصًا حضرت شیبان راعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

کی خدمت میں جو ایک اُمّی ولی تھے اکثر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حاضری دیتے اور مشکل مسائل ان سے دریافت فرماتے۔ اسی طرح حیات القلوب میں علامہ عماد الدین اموی نے تحریر فرمایا کہ:-

اِعلَمْ اَنَّ عِلْمَ الْبَاطِنِ وَ هُوَ عِلْمُ طَرِيْقِ الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْعِلْمُ الَّذِیْ دَرَجَ عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَتَابِعِيْهِمْ وَقَدْ سَمَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ كِتَابِهٖ عِلْمًا وَّضِيَاءً وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرُشْدًا وَّهُوَ مُسْتَخْرَجٌ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالسُّنَّةِ۔

تم جان لو کہ علم باطن، یہ طریق آخرت کا علم ہے۔ اور یہ وہی علم ہے کہ جس پر سلف صالحین، یعنی صحابہ و تابعین و تبع تابعین چلے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں اس علم کا نام علم، ضیاء، نور، ھدی، رشد رکھا۔ اور یہ علم قرآن مجید اور حدیث سے حاصل کیا گیا۔

مذکورہ بالا عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ صوفیائے کرام کی مبارک جماعت اور ان کی تعلیمات خیر القرون میں موجود تھیں۔ اور ان کے معمولات قرآن مجید و احادیث کریمہ سے ماخوذ و ثابت ہیں۔

پھر انھیں صاحب ”حیات القلوب“ نے صحابہ، تابعین، تبع تابعین کے تینوں مقدس دور کے صوفیوں کی فہرست بھی تحریر کی ہے۔ چنانچہ دور صحابہ میں۔ حضرت ابوبکر صدیق۔ حضرت عمر فاروق۔ حضرت عثمان غنی۔ حضرت علی مرتضیٰ۔ حضرت حارثہ۔ حضرت براء بن مالک حضرت ابو اسرائیل۔ حضرت حذیفہ۔ حضرت ابو الدرداء۔ حضرت ابوذر حضرت عکاشہ۔ حضرت عبد بن عمرو۔ حضرت سلمان فارسی۔ حضرت

صہیب رومی۔ حضرت ابو رافع۔ حضرت بلال۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نام لکھکر تحریر فرمایا کہ دھم قریب من الف عارف زھاد عباد یعنی تقریباً ایک ہزار ایسے ہیں کہ یہ سب عارف، زاہد، عابد تھے۔

پھر دور تابعین کے صوفیوں میں حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) حضرت امام محمد باقر۔ حضرت امام جعفر صادق۔ حضرت خواجہ حسن بصری حضرت محمد بن سیرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ بارہ شخصوں کا نام تحریر کر کے فرمایا کہ "وغیرھم ممن لا یحصٰی عددھم" یعنی ان کے علاوہ اور بھی ہیں جو بے شمار ہیں۔

پھر دور تبع تابعین کے صوفیوں کی فہرست میں حضرت داحد بن زید حضرت فضیل بن عیاض۔ حضرت ابراہیم ادہم۔ حضرت داؤد طائی۔ حضرت سری سقطی۔ حضرت جنید بغدادی وغیرہ کا نام ذکر کر کے فرمایا کہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جو ان گنت ہیں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

الحاصل مدتِ اسلام میں کوئی بھی ایسا دور نہیں گذرا ہے کہ صوفیائے کرام کا مقدس گروہ موجود نہ رہا ہو جیسا کہ تصریحاتِ بالا اس پر شاہد عدل ہیں پھر ان تمام مسلّمہ تاریخوں اور مستند حوالوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے سرے سے صوفیہ کے وجود۔ اور اُن کے تصوف ہی کا انکار کرنا۔ ستم بالائے ستم نہیں تو اور کیا ہے؟

علم باطن کا ثبوت

عہد رسالت میں صوفیہ کی مقدس جماعت کا وجود، اور ان کی تعلیمات و معمولات کا قرآن و حدیث سے ثابت و ماخوذ ہونا سطور بالا میں تاریخی حیثیت سے گزر چکا۔ اب اس بارے میں مزید لکھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن مناسب معلوم ہوا کہ چند آیات و احادیث بھی اس جگہ ذکر کر دی جائیں تاکہ شرعی دلیلوں کی روشنی میں بھی یہ مسئلہ نورٌ علیٰ نور ہو جائے۔ لہذا ہم یہاں بغرض اختصار صرف تین آیات اور تین حدیثوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں کہ طالب حق کے لئے یہی بہت کافی ہیں!

آیت (۱) هُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ

(پارہ ۲۸ رکوع ۱۱)

اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول بھیجا انھیں میں سے۔ جو اُن پر اللہ کی آیتوں کو تلاوت فرماتا ہے اور انکے دلوں کو پاکیزہ اور ستھرا بناتا ہے۔ اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں مولیٰ عزوجل نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

منصب رسالت و مقصد بعثت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ رسول اپنی امت کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تلاوت فرماتے ہیں اور مومنین کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے تین مقاصد ہیں۔ اوّل اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تلاوت دوّم مومنین کا تزکیہ سوّم کتاب و حکمت کی تعلیم۔ ان تینوں مقاصد بعثت میں سے پہلا اور تیسرا مقصد یعنی تلاوت آیات، اور کتاب و حکمت کی تعلیم تو اس کے متعلق تمام مفسرین کا اجماع و اتفاق ہے کہ اس سے مراد تعلیم قرآن اور شریعت کی مکمل تعلیم و تبلیغ ہے۔ اب باقی رہا دوسرا مقصد یعنی تزکیہ تو اس سے مراد علم باطن و تصوف ہی ہے کیونکہ تزکیہ، علم باطن و تصوف ہی کا دوسرا نام ہے۔ لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تبلیغ فقط علم ظاہر اور شریعت ہی تک محدود نہ تھی بلکہ آپ جہاں تک کتاب و حکمت سے عقائد و اعمالِ شریعت کی تعلیم و تلقین فرماتے تھے وہاں فیضِ صحبت اور اپنی توجہات عالیہ سے تزکیۂ نفس و صفائی قلب بھی فرماتے تھے اور یقیناً بلاشبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام علم ظاہر و باطن دونوں کے سرچشمہ و مبلغ تھے۔

آیت (۲) وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (پارہ ۲۱ رکوع ۳)

اور جن لوگوں نے ہمارے بارے میں مجاہدہ کیا ہم ضرور انھیں اپنے راستوں کی ہدایت کریں گے۔

یعنی جو لوگ طریقت کے اصولوں سے ہمارے لئے مجاہدۂ نفس و ریاضت کریں گے ہم ضرور انہیں سیر الی اللہ کے راستوں کی رہنمائی کرینگے اور پھر ہم ان کو اپنی معرفت عطا فرما کر واصل الی اللہ کر دیں گے۔

اس آیت میں جاھدوا سے مراد یقیناً مجاہدۂ نفس و ریاضت طریقت ہی ہیں جو صوفیائے کرام کا معمول ہیں۔ یہاں مجاہدہ سے مراد جہاد کفار ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ جہاد کفار کی فرضیت بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں ہوئی ہے۔ اور یہ آیت مکیہ ہے اور جہاد کفار کے فرض ہونے سے بہت پہلے نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ علامہ صادی نے فرمایا۔

قال المفسرون ان هذه	مفسرون نے فرمایا ہے کہ یہ آیۂ مبارکہ جہاد
الاٰية نزلت قبل الامر	کفار کے حکم سے پہلے نازل ہوئی ہے کیونکہ
بالجهاد لكونه مكية وحينئذ	یہ آیت مکیہ ہے۔ لہذا اس آیت میں مجاہدہ
فالمراد بالجهاد جهاد النفس	سے مراد مجاہدۂ نفس ہے۔

(صادی)

پھر آیت کا آخری جملہ "ان اللہ لمع المحسنین" یعنی بیشک اللہ احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔ اس بات پر زبردست قرینہ ہے کہ اس آیت میں "مجاہدہ" سے مراد مجاہدۂ نفس ہی ہے۔ کیونکہ احسان تصوف و تفسیر کی اصطلاح میں مجاہدۂ نفس کا ہم معنی ہے۔ جیسا کہ عنقریب ہم عرض کریں گے کہ احسان و جہاد نفس دونوں علم باطن ہی کے نام ہیں۔

آیت (۳) وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ　　　اور ہم نے اسے (خضر کو) علم لدنی

لَّدُنَّا عِلْمًاo (پارہ ۱۵، رکوع ۲۱) سکھایا ہے۔

قرآن مجید میں حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کی ملاقات کے تذکرے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ "ہم نے خضر کو علم لدنی عطا فرمایا ہے" حضرت خضر علیہ السلام کا یہ علم لدنی جس کی جستجو میں حضرت موسیٰ و حضرت یوشع علیہما السلام نے مجمع البحرین کا سفر فرمایا در حقیقت علم باطن ہی تھا جس کو آج بھی صوفیائے کرام "علم لدنی" کہتے ہیں۔ چنانچہ تزکیۃ القلوب میں ہے کہ

ولفظ علم اللَّدُنِّی لهذا العلم	علم لدنی کا لفظ خاص اسی علم باطن
الباطن الحاصل بمحض	کے لئے ہے جو محض خدا کی تعلیم سے بغیر
تعليم الله تعالى من لدنه	لفظ و عبارت کے واسطے کے
بغير واسطة عبارة	حاصل ہو جاتا ہے۔

نیز حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کی گفتگو جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے اس بات کی زبردست دلیل ہے جناب خضر کا علم لدنی یقیناً علم ظاہر یعنی شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا ہی علم تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام باوجود اپنی شریعت کے نبی ہونے کے تشریف لے گئے تھے چنانچہ بوقت ملاقات جناب خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ :-

یاموسیٰ انی علیٰ علم من علم	اے موسیٰ۔ میں اللہ کے دیئے ہوئے
الله علمنيه لا تعلمه انت	علم میں سے ایک ایسے علم پر ہوں جو

وانت علیٰ علم من علم الله علمك الله لا اعلمه۔ (بخاری شریف)	اس نے مجھے سکھایا ہے۔اس علم کو آپ نہیں جانتے اور آپ تعلیم ہی سے ایک ایسے علم پر ہیں جو اس نے آپ کو سکھایا ہے، میں اسکو نہیں جانتا۔

روایت بالا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ جناب خضر کا عِلم لدنی عِلم شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا ہی علم تھا۔جو بلاشبہ علم باطن تھا۔جیسا کہ اوپر تزکیۃ القلوب کی عبارت میں اس کی تصریح گزر چکی۔عموماً شارحین حدیث نے جناب خضر کے علم لدنی کو علم الاسرار لکھا ہے۔مگر یہ ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ علم لدنی اور علم الاسرار علم باطن ہی کے دو نام ہیں اور اسی کو صوفیہ علم تصوف کہتے ہیں۔

حدیث (۱) العلم علمان علم فی القلب فذلك العلم النافع وعلم علی اللسان فذلك حجة الله عزوجل علی ابن آدم (مشکوٰۃ شریف)	علم دو قسم کے ہیں۔ایک علم قلب (علم باطن)، اور یہی نفع بخش علم ہے اور ایک علم زبانی ہے۔یہ علم انسان کے اوپر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔

اس حدیث میں صاف طور پر علم القلب کا ذکر فرمایا گیا جو علم باطن ہی کا دوسرا نام ہے۔

حدیث (۲) عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه حفظت	حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ میں نے

من رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دعائین فاما احدھما فبثثته فیکم واما الاخر فلو بثثته قطع ھذا البلعوم (مشکوۃ شریف)

دو برتن (علم کے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یاد کئے ہیں۔ ایک برتن تو میں نے تم لوگوں میں پھیلا دیا۔ لیکن دوسرا اگر پھیلاؤں تو یہ حلقوم کاٹ ڈالی جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ دوسرا علم جس کو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عوام سے چھپایا یقیناً شریعت کے علاوہ کوئی دوسرا ہی علم تھا۔ اور وہ بلاشبہہ علم باطن تھا جس کو عوام الناس سے پوشیدہ رکھنا ہی بہتر ہے ورنہ ظاہر ہے کہ علم شریعت کو چھپانا تو بہت بڑا جرم اور گناہ عظیم ہے۔ چنانچہ خود ہی ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عِلمہٗ ثم كَتَمَهٗ اُلْجِم يَوْمَ اَلْقِيَامَةِ بِلَجَام النار۔ (صحاح)

جس شخص سے کسی ایسے علم (دین) کا سوال کیا جائے جسکو وہ جانتا ہو اور وہ اسکو چھپالے تو اس کو قیامت کے دن آگ کی لگام لگائی جائے گی۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب علم شریعت کو چھپانے کا گناہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معلوم تھا پھر اُن کا ایک علم کو عوام سے چھپالینا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ علم یقیناً شریعت کے سوا کوئی دوسرا ہی علم تھا۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ بلاشبہہ علم باطن تھا۔ جیسا کہ علامہ عینی نے زیر حدیث مذکور فرمایا کہ۔

لَعَلَّ الْمُرَادَ بِالْاَوَّلِ عِلْمُ الْاَحْكَامِ وَالْاَخْلَاقِ وَالثَّانِي عِلْمُ الْاَسْرَارِ الْمَصُوْنُ عَنِ الْاَغْيَارِ الْمُخْتَصُّ بِالْعُلَمَاءِ بِاللّٰهِ مِنْ اَهْلِ الْعِرْفَانِ۔

(مرقاۃ)

غالباً پہلے علم سے مراد علم احکام و اخلاق (شریعت) ہے اور دوسرے سے مراد علم الاسرار ہے جو نا اہلوں سے محفوظ اور ارباب معرفت علمائے ربانین کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہ پہلے بھی تحریر کیا جا چکا ہے۔ اور آیندہ بھی ہم ذکر کریں گے کہ علم الاسرار اسی علم باطن ہی کا دوسرا نام ہی۔

حدیث (۳) قال ابن مسعود لما مات عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ انی لاحسب انہ ذھب تسعۃ اعشار العلم فقیل تقول ھذا وفینا اجلۃ الصحابہ فقال لست اعنی العلم الذی تریدون انما اعنی العلم باللّٰہ۔

(قوت القلوب)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ دس میں سے نو حصہ علم کا چلا گیا۔ تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ ایسا فرماتے ہیں۔ حالانکہ ابھی ہم میں جلیل القدر صحابہ موجود ہیں۔ تو انھوں نے فرمایا کہ میری مراد وہ علم نہیں جو تم سمجھتے ہو۔ میری مراد علم الٰہی ہے۔

الحاصل مذکورۂ بالا آیتوں اور حدیثوں کی روشنی میں آفتاب کیطرح

روشن ہوگیا کہ جس طرح زمانہ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں علم ظاہر یعنی شریعت کی تعلیم و تبلیغ ہوئی۔ اسی طرح علم باطن یعنی تصوف کی بھی تعلیم و تبلیغ ہوئی۔ اور درحقیقت علم ظاہر و باطن ایک ہی شجر نبوت کی دو شاخیں ہیں جو اصل سے نکل کر ممتاز ہوگئی ہیں۔ اور بلا شبہ یہ دونوں علم قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ ہیں۔

فائدہ علم باطن کے بہت سے نام ہیں کہ جن ناموں کے ساتھ قرآن مجید اور حدیثوں میں جا بجا اس کا تذکرہ ہے۔ مناسب تھا کہ علم باطن کا وجود اس کے ہر ہر نام کے ساتھ آیات و احادیث سے ثابت کر دیا جائے۔ لیکن خوف طوالت مانع ہے اس لئے ہم اس جگہ اس کے چند مشہور ناموں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ طالب حق کے لئے ہادی سبیل ہوں گے۔ وھو ھذا

علم باطن[1]۔ علم قلب[2]۔ علم اخلاص[3]، علم توحید[4]، علم تصوف[5] علم سلوک[6] علم طریقت[7]۔ علم حقیقت[8]۔ علم معرفت[9]۔ علم آخرت[10]، علم یقین[11]، علم لدنی[12]، علم اسرار[13]۔ علم معارف[14]، علم نفس[15]، علم کشف[16]، علم احسان[17]، علم تزکیۂ نفس[18] علم جہاد نفس[19]۔ علم الہیٰ[20]۔ ان کے علاوہ دوسرے نام بھی ہیں جو تصوف کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی لذت و چاشنی سے کما حقہ وہی لوگ واقف ہیں جو اس کے اہل ہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا خوب فرمایا ؎

علم التصوف علم لیس یعرفه　　الا اخو فطنة بالحق معروف
ولیس یعرفه من لیس یشهده　　وکیف یشهد ضوء الشمس مکفوف

(ترجمہ) علم تصوف وہ علم ہے کہ اس کو وہی دانشمند لوگ جانتے ہیں جو اہل حق کے نام سے مشہور ہیں۔ اور جو شخص اس پر مطلع نہیں ہوا وہ اسے نہیں جان سکتا۔ بھلا اندھا آفتاب کی روشنی پر کس طرح مطلع ہو سکتا ہے ؟

علم باطن کا وجوب

گذشتہ اوراق میں بار بار یہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ علم ظاہر (شریعت) و علم باطن (طریقت) دونوں کا سرچشمہ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی ہیں، اور یہ دونوں علم قرآن و حدیث ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ لہذا معرفتِ الٰہی و فلاح دین و دنیا کے لئے علم ظاہر کی طرح علم باطن کا سیکھنا بھی ضروری ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح علم باطن کی تکمیل کے لئے علم ظاہر کی تحصیل ضروری ہے اسی طرح علم ظاہر کی تکمیل کے لئے علم باطن بھی لازمی ہے۔ اور وارث الانبیاء ہونے کیلئے جامع الفریقین ہونا یعنی علم ظاہر و باطن دونوں کی دولت سے مالا مال ہونا انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ دونوں علم ایک دوسرے کے بغیر خامی اور نقصان سے خالی نہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ

نے مرج البحرین میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ نقل فرمایا ہے کہ

من تفقہ بغیر تصوف فتفسق	جو بغیر تصوف کے فقیہ بنا وہ فاسق
ومن تصوف بغیر تفقہ	ہوا۔ اور جو بغیر فقہ کے صوفی بن بیٹھا
فتزندق ومن جمع بینہما	وہ زندیق ہوا اور جو دونوں کا جامع
فتحقق	ہوا وہ محقق ہوا۔

اور حق تو یہ ہے کہ زمانۂ حال کے بہت سے علماء و مشائخ کی ساری خرابیوں کا راز یہی ہے کہ کوئی گروہ بھی جامع الفریقین نہیں رہا ؎

کریماں را بدست اندر درم نیست
خدا وندان نعمت را کرم نیست

جو علماء ہیں وہ علم باطن کی چاشنی سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اور جنھیں تصوف کی چاٹ لگی وہ علم ظاہر سے کورے رہے۔

ہم یہاں اس بارے میں منجملہ بہت سی آیات و احادیث کے صرف ایک آیت کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ	کیوں نہیں سفر کیا ہر جماعت میں سے
طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ	کچھ لوگوں نے تاکہ وہ دین میں فقہ
وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا	حاصل کریں۔ اور واپس لوٹ کر اپنی
إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ۔	قوم کو ڈرائیں تاکہ وہ (خدا سے)
(پارہ ۱۱ رکوع ۴)	ڈریں۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ دین میں فقہ حاصل کر کے قوم کی تذکیر و

و نصیحت ہر جماعت میں سے کچھ لوگوں پر واجب ہے۔
"تفقہ یا فقہ" کی تعریف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ

معرفة النفس ما لها وما عليها۔ (توضیح تلویح)
نفس کیلئے جو چیزیں مفید و مضر ہیں اُن کو پہچان لینا۔

اور "علم باطن" کی تعریف میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ

علم القلب ای علم الاخلاص وهو علم يعرف به انواع الفضائل وكيفية اكتسابها وانواع الرزائل وكيفية اجتنابها۔ (رد المحتار)
علم قلب یعنی علم اخلاص اور یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے فضائل (دین و دنیا) کے اقسام اور ان کے حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔ اور رزائل (دین و دنیا) کی قسمیں اور ان سے بچنے کا طریقہ پہچان لیا جائے۔

ظاہر ہے کہ علم باطن کی یہ تعریف "فقہ" کی تعریف میں داخل ہے لہذا آیت کا صاف و صریح مطلب یہ ہوا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگوں پر جس طرح علم ظاہر (شریعت) کا سیکھنا واجب ہے اسی طرح علم باطن (طریقت) کا سیکھنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تفقہ فی الدین ان دونوں علموں کو شامل ہے۔

حضرت شیخ محی الدین بن العربی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ

ای لیکن من جملتکم عالمون	یعنی ضروری ہے کہ تم میں کچھ ایسے
عارفون اولوا استقامة فے	علماء ہوں جو اہل معرفت و صاحب
الدین کشیوخ الطریقة	استقامت ہوں جیسے کہ" مشائخ
فان من لم یعرف الله لم	طریقت"، کیونکہ جو اللہ کا عارف نہ
یعرف الخیر فمن لم یکن	ہو وہ خیر کا پہچاننے والا نہیں ہوگا۔
له التوحید والاستقامة	لہٰذا جو شخص توحید و استقامت
لم یکن فی مقام الدعوة	(علم باطن) کا اہل نہ ہو وہ دعوت
ولا فی مقام الامر بالمعروف	الی اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر
والنهی عن المنکر۔	کے قابل نہیں ہے۔

(از جواہر التنزیل)

الحاصل علم ظاہر (شریعت) کی طرح علم باطن (طریقت) کی تحصیل وطلب بھی انتہائی ضروری ہے کہ بغیر اس کے صلاح و فلاح کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین میں ہر عالم ہمیں تصوف کا گرویدہ و واقف کار نظر آتا ہے۔ اور ہر صوفی علوم عقلیہ و نقلیہ کے میدان میں بھی شہسوار معلوم ہوتا ہے۔ خدا کرے کہ زمانۂ حال کے علماء و صوفیاء اپنے سلف صالحین کے اُسوۂ حسنہ کا سچا نمونۂ عمل بنیں اور خانقاہوں میں مدارس۔ اور مدارس میں خانقاہوں کا پھر چرچا ہونے لگے۔ (آمین)

شریعت ، طریقت ، حقیقت

اس زمانے میں بعض جاہل صوفیوں کی زبانی اس عامیانہ خیال کا
چرچا بہت زیادہ بڑھا ہوا ہے کہ شریعت و طریقت دو جداگانہ و مخالف
چیزیں ہیں۔ اور دونوں کے مسائل الگ الگ ہیں۔ عوام تو عوام ماتم یہ
ہے کہ بعض اہل خانقاہ بھی اس غلطی کا شکار ہیں چنانچہ جاہل صوفی یہ کہکر
کہ چونکہ ہم اہل طریقت ہیں لہٰذا شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہیں۔
تمام احکام شرعیہ کو پسِ پُشت ڈالکر ہر فسق و فجور کے علانیہ مرتکب
ہوتے ہیں۔ اور اپنے مریدوں کو بھی ان خلافِ شرع کاموں کا مرتکب
بنا کر ضال و مضل ٹھیرتے ہیں بیچارے جاہل مرید اپنے پیروں کے ان
خلافِ شرع اعمال کو رموز و اسرارِ طریقت جان کر مجال اعتراض
نہیں رکھتے بلکہ اپنے جاہل پیروں کی دیکھا دیکھی خود بھی ان اعمال
قبیحہ پر عمل کرتے ہیں۔ اور پیر و مرید دونوں قہر قہّار و غضبِ جبار
کے سزاوار ٹھیرتے ہیں۔ نماز و روزہ ، حج و زکواۃ ، غرض تمام احکام
شریعت سے یہ کہکر آزاد ہو گئے کہ ہم اہل طریقت فقراء ہیں ہمیں
شریعت کی پابندیوں سے کیا مطلب ؟ شریعت اور ہے طریقت اور
معاذاللہ ! ایسے ہی مکاروں کے بارے میں مولانا روم علیہ الرحمہ نے

فرمایا ؎

کارِ شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی این است لعنت بر ولی

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس ملحدانہ و جاہلانہ خیال کا رد بھی "مشائخ طریقت" ہی کے کلام سے کر دیا جائے تاکہ بیچارے عوام ان مکاروں کے شیطانی پھندے سے محفوظ رہ سکیں۔

علامہ ابوالقاسم قشیری علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ کے صفحہ ۴۵ پر شریعت و حقیقت کے بارے میں فرمایا کہ

الشریعة امر بالتزام العبودیة،	(خدا کی) بندگی کو لازم پکڑنا شریعت
والحقیقة مشاهدة الربوبیة	ہے اور اس کی ربوبیت کا مشاہدہ
فکل شریعة غیر مؤیدة	کرنا حقیقت ہے، لہذا جو شریعت
بالحقیقة فغیر مقبول وکل	حقیقت کی تائید کے بغیر ہو وہ نا
حقیقة غیر مقیدة بالشریعة	مقبول ہے۔ اور جس حقیقت کے ساتھ
فغیر محصول۔	شریعت کی قید نہ لگی ہو وہ لاحاصل ہے۔

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مکتوبات جلد اول ص۳۹ پر اپنے علوم و معارفِ کشفیہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

"علوم شرعیہ کو جو نظری و استدلالی تھے (علم طریقت) نے سب کو بدیہی و کشفی بنا دیا ہے۔ اور یہ (علوم طریقت) بال برابر

بھی علمائے شریعت کے اصول کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ جو علوم اجمالی تھے اُنہی کو تفصیلی بنا دیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت خواجہ بزرگ (خواجہ نقشبند) قدس سرہٗ سے سوال کیا کہ سلوک سے مقصود کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا یہی کہ علم اجمالی، تفصیلی اور علم استدلالی، کشفی ہو جائے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان (علوم شرعیہ) کے علاوہ کچھ دوسرے علوم حاصل ہو جائیں"۔

اسی طرح مکتوب سیزدہم جلد اول ص۲۸ میں تحریر فرمایا کہ

"تمام کشفیات (طریقت) شریعت کے مطابق ہی نکلے اور شریعت و طریقت میں بال بھر بھی مخالفت نظر نہیں آئی علماء اور ان بزرگوں (صوفیہ) کے درمیان بس اتنا ہی فرق ہے کہ علماء دلیل اور علم کی روشنی میں جانتے ہیں اور یہ لوگ (صوفیہ) کشف و ذوق کے طریقے پر دریافت کر لیتے ہیں۔ اور (صوفیہ) کے حال کی صحت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل چاہیئے کہ ان کے کشفیات شریعت کے مطابق ہیں"۔

اسی طرح حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:۔

"شریعت احکام کے ظاہری احوال کا نام ہے اور انہیں احکام پر دلجمعی کے ساتھ عمل کرنا یہ طریقت ہے اور ان جمعیت و دلجمعی میں رسوخ و ملکہ (مہارت) پیدا ہو جانا۔ اس مرتبے کا نام حقیقت ہے۔ (رشحات العیون)

دوسری جگہ اسی "رشحات العیون" میں اس مضمون کو تفصیل و تمثیل کے ساتھ بھی بیان کیا ہے۔ جو یہ ہے:-

" مولانا نظام الدین نے فرمایا کہ شریعت، طریقت، حقیقت کو ہر چیز میں بیان کر سکتے ہیں۔ مثلاً "جھوٹ بولنا" اگر کوئی شخص کوشش و مجاہدہ کر کے ایسا بن جائے کہ اختیاری طور پر جھوٹ اسکی زبان پر جاری نہ ہو تو یہ (مرتبہ) شریعت ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ دل میں جھوٹ کا خطرہ باقی رہے۔ اس میں کوشش و مجاہدہ کرنا کہ دل میں سے بھی جھوٹ کا خرخشہ دور ہو جائے۔ یہ (مرتبہ) طریقت ہے۔ اور کوشش و مجاہدہ سے یہ حال پیدا ہو جائے کہ اختیار سے اور بے اختیار کسی طرح بھی جھوٹ اس کی زبان پر نہ آئے اور کبھی دل میں بھی اختیار سے یا بلا اختیار اس کا خیال و خطرہ نہ پیدا ہو سکے یہ (مرتبہ) حقیقت ہے"

شرح عقائد نسفیہ میں ہے کہ

ولن یکون ولیا الا وان یکون محقا فی دیانتہ ودیانتہ الاقرار بالقلب واللسان برسالۃ رسولہ مع الطاعۃ فی اداامرہ ونواھیہ حتٰی لوادعٰی ھٰذا	ہرگز ہرگز اس وقت تک کوئی ولی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دیانت نہ ثابت ہو جائے۔ اور اس کی دیانت یہ ہے کہ قلب و زبان سے اپنے رسول کی رسالت کا اقرار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے اوامر و نواہی کی فرمانبرداری

الولی الا ستقلال بنفسه	بھی کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی ولی خود
وعدم المتابعة لـم	ہی مستقل ہونے کا مدعی بن جائے اور
یکن ولیا	رسول کی اطاعت سے روگردانی کرے
	تو وہ ولی نہیں ہو سکتا ہے۔

بلکہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تو یہ ارشاد ہے کہ:۔

لو نظر تم الی رجل اعطی	اگر تم کسی مرد کو صاحبِ کرامات
من الکرامات حتی یرتقی	دیکھو یہاں تک کہ وہ ہوا میں اڑتا پھرتا
فی الھواء فلا تغتروا به	ہو۔ پھر بھی تم اس پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔
حتی تنظروا کیف تجدونه	جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر و نہی میں اور
عند الامر والنھی وحفظ	احکام الٰہی کی پابندی، اور شریعت
الحدود واداء الشریعة۔	کو ادا کرنے میں تم اس کو کیسا پاتے ہو۔

(رسالہ قشیریہ صـ۱۸)

اوپر ذکر کی ہوئی عبارتوں سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا کہ شریعت وطریقت میں ہرگز کسی مخالفت کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ شریعت وطریقت، درحقیقت دونوں ایک ہی سرچشمۂ نبوت کی دو نہریں ہیں جو اصل سے نکل کر ممتاز ہو گئی ہیں۔ اور شریعت ہی دراصل کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے ؎

محال است سعدی کہ راہِ صفا توان رفت جز بر پئے مصطفیٰ
خلافِ پیمبر کسے رہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

"ترجمہ" اے سعدی! یہ محال ہے کہ کوئی شخص بغیر مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی کے تصوف کے راستے پر چل سکے۔ جس نے پیغمبر کے خلاف راستہ اختیار کیا وہ کبھی ہرگز (معرفت) کی منزل تک نہیں پہنچ سکے گا۔

ولایت

صوفیہ کی اصطلاح میں ولی کی تعریف میں بہت سے اقوال علماء سے منقول ہیں کہ جن کا شمار اس جگہ موجب طوالت ہے۔ چنانچہ عین المعانی میں ہے:۔

الاولیاء هم الذین اذا رؤا ذکر الله۔	اولیا وہ لوگ ہیں جن کے دیدار سے خدا کی یاد آجائے۔

فتوحات مکیہ میں ہے:۔

هو الذی تولاہ الله تعالیٰ بنصرته فی مقام مجاهدته الاعداء الاربعة الهویٰ والنفس والشیطان والدنیا۔	(ولی) وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی امداد سے چاروں دشمنوں (یعنی) خواہش[1]، نفس[2]، شیطان[3]، دنیا[4] سے جنگ کرنے کا متولی بنا دیا ہو۔

بحر الحقائق میں ہے:۔

المراد من الاولیاء الذین	اولیا سے مراد وہ لوگ ہیں جو نفس کی

یخالفون النفس۔ مخالفت کرتے ہیں۔

بہرحال ولایت ایک عطیۂ خداوندی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے طفیل میں عطا فرماتا ہے جس کے باعث یہ لوگ بلا تکلف حسنات کی طرف راغب اور گناہوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اور بارگاہ خداوندی میں قرب خاص سے نوازے جاتے ہیں اور اس رتبۂ بلند پر فائز ہونے والے خوش نصیب مسلمان اللہ کے ولی کہلاتے ہیں اور اس مرتبۂ ولایت کے وجود اور اولیاء اللہ کے فضائل ومناقب پر کثرت سے آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ شاہد عدل ہیں۔ مگر ہم یہاں بغرض اختصار صرف ایک آیت اور تین حدیثیں ذکر کرتے ہیں!

آیت:۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ۝

خبردار! بیشک اولیاء اللہ نہ انپر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ وہ لوگ ہیں جو صاحب ایمان اور متقی ہیں۔ ان کیلئے دنیا وآخرت کی زندگی میں بشارت ہے۔

(پارہ ۱۱ رکوع ۱۲)

حدیث (۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قیل یارسول اللہ من اولیاء اللہ قال

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ کسی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں

الذین اذا رأوا ذکر اللہ۔
(جواہر التنزیل وصادی)

تو ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنکے دیدار سے خدا یاد آئے۔

حدیث (۲) قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان للہ عباداً لیسوا بانبیاء ولا شہداء یغبطھم النبیون والشھداء علی مجالستھم و قربھم من اللہ تعالیٰ قال اعرابی انعتھم لنا قال ھم قوم تحابوا فی اللہ یضع اللہ تعالیٰ لھم منابر من نور فیجلسون علیھا یوم یفزع الناس وھم اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔
(جواہر التنزیل وصادی)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے ہیں جو نہ انبیا رہیں نہ شہدا رمگر دربار خداوندی میں ان کی نشست و قرب الٰہی پر انبیاء و شہدا تعجب کریں گے۔ ایک اعرابی نے کہا یا رسول اللہ ان کا کوئی وصف بیان فرمائیے تو فرمایا وہ ایسی قوم ہیں جنھوں نے اللہ کے بارے میں باہم محبت کی خداوند تعالیٰ اُن کے لئے نور کا منبر بچھائے گا جیپر وہ لوگ بیٹھیں گے جس دن کہ سب لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے۔ اور وہی اولیا اللہ ہیں نہ ان پر کوئی خوف ہوا ور نہ وہ غمگین ہونگے

حدیث (۳) من عادیٰ لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔

جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میں نے اس کو اعلان جنگ دیدیا۔

(بخاری شریف)

یہ حدیث ایک طویل حدیث کا جزو ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی ولی کے ساتھ عداوت۔ اللہ قہار و جبار کے ساتھ اعلان جنگ کے برابر ہے۔ اللہ اکبر! حدیث مذکور کس قدر اولیائے کرام کے علو مراتب و درجات عالیہ کو ظاہر کرتی ہے۔ کاش وہ لوگ اس حدیث سے عبرت پکڑتے اور ہدایت حاصل کرتے جن کے دلوں میں اولیاء اللہ کے بغض و عناد کی آگ بھری ہوئی ہے، اور وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں خاصانِ خدا انبیاء و اولیاء کے دامنِ عظمت پر توہین و تنقیص کا دھبا لگاتے رہتے ہیں۔ اور ان اللہ والوں کے مزارات و تبرکات پر کیچڑ اچھال کر، اور اُن کی عظمت و شان گھٹا کر آفتاب پر خاک ڈال رہے ہیں۔ اور اللہ کے قہر و جلال کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہوئے ہیں۔ الٰہی۔ توبہ۔ خداوندا تیری پناہ!

کرامتِ اولیاء

مومن متقی سے اگر کوئی ایسی خارقِ عادت و تعجب خیز بات صادر ہو۔ جو عام طور پر عادتاً نہیں ہوا کرتی تو اس کو "کرامت" کہتے ہیں۔ یہی چیز اگر انبیاء علیہم السلام سے اعلانِ نبوت کرنے کے قبل ظاہر ہو تو ارہاص اور اعلان نبوت کے بعد ہو تو معجزہ کہلاتی ہے۔ اور اگر عام مومنین سے صادر ہو تو اس کو معونت کہتے ہیں۔ اور اگر کسی کافر سے کبھی اُسکی

خواہش کے مطابق کوئی ایسی بات واقع ہو جائے تو اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔

بہر حال اولیاء اللہ سے جو عجیب و غریب باتیں صادر ہوتی ہیں ان کا نام کرامت ہے۔ اور ہر ولی کی کرامت درحقیقت اس کے نبی کا معجزہ ہے کرامات اولیاء کا مسئلہ سلفاً و خلفاً ہر زمانے میں متفق علیہ رہا ہے۔ اور اہل حق کے درمیان اس مسئلے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ اور کرامت الاولیاء حقٌّ اہل حق کا مسلمہ عقیدہ ہے۔ اس کی حقانیت و ثبوت کے متعلق علامہ سعد الدین تفتازانی کا بیان ہے۔

والدليل على حقيقة الكرامة ماتواتر من كثير من الصحابة ومن بعدهم بحيث لا يمكن انكاره والكتاب ناطق بظهورها من مريم ومن صاحب سليمن وبعد ثبوت الوقوع لا حاجة الى اثبات الجواز۔

(شرح عقائد نسفیہ)

کرامت کے حق ہونے کی دلیل وہ اقوال ہیں جو بہت سے صحابہ اور انکے بعد والوں سے متواتر طریقے پر اس حیثیت سے منقول ہیں کہ ان کا انکار ممکن ہی نہیں! اسی طرح قرآن مجید بھی حضرت مریم اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحابی سے کرامت ظاہر ہونے پر ناطق ہے۔ اور جب کرامت کا واقع ہونا ثابت ہو گیا تو کرامت کے جائز ہونے پر ثبوت لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد کرامت کی بہت سی قسموں کا تذکرہ بھی اسی کتاب میں مذکور ہے مثلاً لمبی مسافت کو مختصر وقت میں طے کرنا۔ کھانا۔ پانی۔ لباس کا بوقت ضرورت ناگہاں موجود ہو جانا۔ بلاؤں کا دفع کر دینا۔ پانی پر چلنا۔ ہوا پر اڑنا جمادات اور جانوروں کا کلام کرنا۔ دشمنوں پر فتح حاصل کرنا وغیرہ!

اور مذکورہ بالا تمام کرامتوں کا ثبوت قرآن مجید، احادیث، اور مستند کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ سیکڑوں میل کی مسافت کو ایک سکنڈ میں طے کرنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر جناب آصف بن برخیا سے صادر ہوا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔

قال انا اٰتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك۔ (سورۂ نمل)

(آصف) نے کہا کہ میں تخت بلقیس آپکے پاس آپکے پلک مارنے سے پہلے ہی لا دوں گا۔

اسی طرح بوقت ضرورت کھانا پانی کا حاضر ہو جانا بھی حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی کرامت میں قرآن عظیم سے ثابت ہے

کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا قال یامریم انی لك هذا قالت هو من عند اللّٰه۔ (آل عمران)

جب جب حضرت زکریا علیہ السلام محراب میں داخل ہوتے تو اُن (مریم) کے پاس روزی پاتے۔ تو آپ فرماتے کہ اے مریم تمہیں یہ رزق کہاں سے ملا۔ تو وہ کہتی تھیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔

یونہی پانی پر چلنا۔ اور ہوا پر اڑنا بھی بکثرت اولیائے کاملین سے واقع ہوا جیسا کہ مثنوی شریف۔ نفحات الانس، تذکرۃ الاولیا وغیرہ میں اس قسم کے سیکڑوں واقعات موجود ہیں۔ جمادات اور جانوروں کا کلام کرنا بھی صدہا اولیاء سے وقوع پزیر ہوا۔ حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا پیالے کی تسبیح کو سننا۔ اصحاب کہف کے کتّے کا کلام کرنا حدیثوں اور تفسیروں میں جا بجا مذکور ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا منبر بنوی پر کھڑے ہو کر سرزمین نہاوند میں امیر لشکر حضرت ساریہ کو پکارنا اور ان کو طریقۂ جنگ کی ہدایت فرما کر پورے لشکر اسلامی کو کفار کے مکر و کید سے نجات دلانے کا واقعہ بھی سیر کی کتابوں میں موجود ہے۔ ان کے علاوہ سیکڑوں قسم قسم کی کرامتوں کے واقعات جو صحابۂ کرام اور اولیاء اللہ سے ظاہر ہوئے حدیث و تاریخ کی معتبر و مستند کتابوں میں درج ہیں کہ اگر اُن کو تحریر کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے۔

ایک ضروری تنبیہ

کرامت اولیا حق ہے۔ لیکن یہ لحاظ رہے کہ ولایت کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا کچھ ضروری نہیں ہے۔ بہت سے اولیاء اللہ ایسے گزرے ہیں جن سے ایک بھی کرامت صادر نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ سیکڑوں صحابۂ کرام ایسے ہیں جن سے ایک بھی کرامت مروی نہیں۔ اور پچھلے اولیاء اللہ سے بکثرت کرامتیں منقول ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ ولایت کا دار و مدار

کرامات پر نہیں۔ بلکہ ولایت درحقیقت اس قرب خاص کا نام ہے جو مولیٰ تعالیٰ اپنے خاص خاص بندوں کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرماتا ہے۔ اس فضل خداوندی سے جو مشرف ہوگیا وہ ولی ہے، خواہ اس سے کرامت صادر ہو یا نہ ہو۔ بلکہ بعض اولیاء اللہ ایسے گذرے ہیں جو کرامات ظاہر کرنے کو ناپسند رکھتے تھے۔ اور ہرگز کبھی اپنے اختیار سے کوئی کرامت صادر نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ اگر بے اختیار اُن سے کوئی کرامت صادر ہو جاتی تو وہ اس پر افسوس ظاہر فرماتے تھے چنانچہ ارشاد الطالبین میں تحریر ہے کہ:۔

> "حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے پیر سے روایت کرتے ہیں کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے بعض جگہ لکھا ہے کہ بعض اولیا نے جن سے بہت زیادہ کرامتیں صادر ہوئیں وقت وفات انھوں نے یہ تمنا کی ہے کہ کاش ہم سے اتنی کرامت ظاہر نہ ہوتی"۔

اسی طرح عوام کا یہ خیال کہ جن بزرگوں سے زیادہ کرامتیں ظاہر ہوئیں وہی زیادہ افضل ہیں۔ یہ خیال بھی بالکل غلط ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ بعض صحابہ سے ایک بھی کرامت مروی نہیں۔ اور بعد والے اولیا سے بے شمار کرامتیں سرزد ہوئیں۔ حالانکہ ایک صحابی کا مرتبہ اعلیٰ سے اعلیٰ ولی سے بھی بدرجہا بلند و بالا ہے۔ الحاصل ہرگز ہرگز کثرتِ کرامات افضلیت کی دلیل نہیں۔ بلکہ حق بات اور واقعی امر یہ ہے کہ فضیلت کا دارومدار درحقیقت قربِ الٰہی کی دولت

یہ ہے جو جس قدر زیادہ اس دولت سے مالا مال ہوا وہ اُسی قدر زیادہ افضل ہے۔ صحابۂ کرام چونکہ نگاہ نبوت کے نظر کردہ اور آغوشِ رسالت کے پروردہ ہیں اس لئے ان سے زیادہ قربِ الٰہی کی دولت نہ کسی کو ملی ہے نہ ملے گی۔ لہذا صحابۂ کرام تمام امت میں افضل الاولیاء ہیں۔ پھر ان کے بعد جن اولیاء کو جس قدر زیادہ قربِ الٰہی کی دولت ملی وہ اسی قدر زیادہ افضل ہوئے خواہ اُن سے کرامت صادر ہوئی یا نہ ہوئی۔ اور یہ قرب الٰہی کی دولت محض عطیۂ الٰہی اور خداوند کریم کا فضل عظیم ہے۔

وذالک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء واللّٰہ ذو الفضل العظیم۔

طلبِ مُرشد

ولایت۔ ایک فضل خداوندی ہے کہ مولیٰ تعالیٰ جس کو جب اور جس طرح چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ اس نعمت کا حصول فضل ربانی کے سوا کسی خاص عمل پر موقوف نہیں ہے ؎

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

لیکن خدا کا دستور یونہی جاری ہے کہ اس راہ کی پرخطر وادیاں بغیر کسی مرشدِ کامل کی رہنمائی کے عموماً طے نہیں ہوا کرتیں۔ اور بغیر کسی غواصِ بحر معرفت کی دستگیری کے یہ گوہرِ نایاب حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے مشائخ

مشایخِ کرام ہر سالکِ راہِ طریقت کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ کسی مرشدِ کامل کے دامن سے وابستہ ہو کر اس کی صحبت اختیار کرے۔ اسی کو اصطلاحِ صوفیہ میں، اتخاذِ شیخ، یا اخذِ وسیلہ، یا "طلبِ رابطہ" یا مرید ہونا کہتے ہیں۔

علامہ ابو القاسم قشیری علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

ثم یجب علی المرید ان	پھر مرید پر واجب ہے کہ وہ کسی
یتادب بشیخ فان لم یکن	شیخ سے آدابِ (طریقت) سیکھے کیونکہ
له استاذ لا یفلح ابداً ۔	اگر اسکا کوئی استاد نہیں ہوگا تو وہ کبھی
(رسالہ قشیریہ)	کامیاب نہیں ہوگا۔

حضرات صوفیہ کرام کا یہ معمول بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اور خیر القرون سے آجتک اس پر اکابر اُمت کا عملدرآمد ہو رہا ہے۔ چنانچہ ہم اس باب میں صرف دو آیتیں اور ان کی مختصر تفسیر ذکر کرتے ہیں۔

آیت (۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ	اے ایمان والو۔ تم اللہ سے ڈرو
اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ	اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو
الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ	اور اس کی راہ میں مجاہدہ کرو تاکہ
سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ؕ	تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں مولیٰ عزوجل نے مومن کی فلاح کو تین چیزوں پر معلق فرمایا (۱) تقویٰ (۲) طلبِ وسیلہ (۳) مجاہدہ۔ اس آیت میں طلبِ وسیلہ

سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں تفسیر جواہر التنزیل کا بیان ہے۔

اعلم ان الآیة الکریمة صرحت بالامر بابتغاء الوسیلة ولا بد منها البتة فان الوصول الی اللہ تعالیٰ لایحصل الا بالوسیلة وھی علماء الحقیقة و مشایخ الطریقة۔

تم جان لو۔ کہ آیت کریمہ نے وسیلہ طلب کرنے کا حکم کھلم کھلا بیان کردیا اور یقیناً یہ ضروری چیز ہے۔ کیونکہ بغیر وسیلہ کے خدا تک رسائی ہو نہیں سکتی۔ اور یہ وسیلہ "علمائے حقیقت اور مشایخ طریقت ہیں۔

آیت اور تفسیر جواہر التنزیل کی تشریح سے طلب مرشد کی ضرورت و اہمیت روز روشن کی طرح ثابت ہوگئی۔

آیت (۲) یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

اے ایمان والو۔ تم اللہ سے ڈرو۔ اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

اس آیت میں خداوند کریم نے مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا کہ تم صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔ اب یہ سوال کہ صادقین کون ہیں؟ اور ان کے ساتھ ہو جانے کا کیا مطلب ہے؟ اس کا جواب حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنئے۔ ان کا ارشاد ہے۔

اما الصادقون فھم الذین انفقت بصیرتھم عما سوی اللہ

صادقین وہ لوگ ہیں جن کی چشم بصیرت اللہ عزوجل کے ماسوا سے اٹھ چکی ہے۔

(جواہر التنزیل)

نیز حضرت خواجہ احرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت کریمہ کی تفسیر جن الفاظ میں فرمائی اس کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے:

"صادقین کے ساتھ ہونے کے دو معنی ہیں۔ ایک ظاہری اور اور وہ یہ کہ اہل صدق کی صحبت و ہمنشینی کو لازم پکڑے تاکہ اُن کی صحبت کے باعث اس کا باطن ان کے صفات و اخلاق کے انوار سے منور ہو جائے۔ دوسرے باطنی اور وہ یہ کہ راہِ باطن سے طریقۂ رابطہ اختیار کرے اس جماعت کے ساتھ جو اس لائق ہیں کہ ان کے ساتھ قلب کو وابستہ کیا جائے۔ اور اس معنیٰ کے حاصل ہو جانے کے بعد مقصودِ اصلی یعنی تَقَرُّبْ اِلَی اللہ حاصل ہو جائے گا۔

اور اس آیت سے جو کچھ واجب التعمیل سمجھا جاتا ہے وہ وہ یہی ہے کہ صادقین میں سے کسی (شیخ) کے ساتھ دل کا ربط ہو (یعنی کسی پیرِ طریقت کا مرید ہو)" (رشحات العیون ملخصاً)

الحاصل مرشدِ کامل کی تلاش، اور کسی شیخ طریقت سے وابستہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور اس کا انکار درحقیقت لاعلمی یا گمراہی ہے اور اس بارے میں حدیثیں، آثارِ صحابہ، اور علماء و مشائخ کے اقوال اس قدر کثیر ہیں کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی۔ صحیح حدیثوں میں مروی ہے کہ بہت سے قبائل بصورت وفد دور دراز سے سفر کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت

بابرکت میں حاضر ہوکر نیوض و برکات نبوت سے فیضیاب ہوتے پھر خلافتِ راشدہ کے دور میں ہزاروں مسلمان دُور دُور سے سفر کرکے صحابۂ کرام کی خدمات میں حاضری دے کر فیض حاصل کرتے پھر تابعین و تبع تابعین کے زمانے میں مشایخ وقت کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کرنا۔ اور استفادۂ ظاہری و باطنی سے مستفید ہونا تو بطریق تواتر ثابت ہے۔ جیسا کہ مشایخ کے اسناد و شجرے اس پر شاہد عدل ہیں یہی اتخاذ شیخ و طلب مرشد ہے۔

پیری، مریدی

اصطلاحِ صوفیہ میں مرشد کے ہاتھ پر مکمل اتباع فرمانبرداری کے عہد و پیمان کا نام "بیعت" ہے۔ جس کو عام طور سے پیری مریدی کہا جاتا ہے۔ یہ بیعت خیرالقرون سے آج تک برابر صوفیہ کرام کا معمول رہی ہے جس کے جواز و مشروعیت پر بہت سی آیتوں اور حدیثوں کی شہادت ہے۔ جن میں سے چند یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

آیت (۱) ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم

بیشک جو لوگ (اے رسول) تمہاری بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا

(پارہ ۲۶ سورہ الفتح) ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔

آیت (۲) لقد رضی اللّٰہ عن المؤمنین اذیبایعونك تحت الشجرۃ۔

یقیناً اللہ ان مومنین سے خوش ہوگیا جو درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے ہیں۔

یہ ہر دو آیات حدیبیہ کی بیعت کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینہ طیبہ سے عمرہ کرنے کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ اور مقام حدیبیہ میں تشریف لائے تو کفار مکہ نے آپ کا راستہ روکا۔ آپنے دریافتِ واقعہ کی غرض سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکہ معظمہ بھیجا۔ کفار نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکے میں روک لیا۔ اور یہ کہا کہ تم کعبے کا طواف کرلو۔ مگر ہم تمہارے نبی کو مکے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم طواف کعبہ نہ فرمائیں گے میں اکیلے ہرگز ہرگز طوافِ کعبہ نہیں کرونگا اس پر بات بڑھ گئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واپسی میں بہت دیر لگ گئی۔ اور ادھر یہ خبر مشہور ہوگئی کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید کر دئے گئے۔ اس وقت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر اصحاب سے بیعت لی اور تمام صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دست مبارک کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت کرلی۔

اس بیعت کے الفاظ کیا تھے؟ اس بارے میں چند الفاظ روایتوں میں مذکور ہیں۔ لیکن سب کا حاصل "علی السمع والطاعۃ" ہے۔ یعنی "ہر امر و نہی کو بگوش ہوش سننا اور اس پر عمل کرنا"

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مرشد کے ہاتھ پر اتباع شریعت کا عہد وپیمان کرنا قرآن مجید سے ثابت اور باعث رضائے الٰہی ہے۔ اور یہی مشایخ کی بیعت ہے جس کو عام طور سے پیری مریدی کہا جاتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بعض ناواقفوں کا خیال ہے کہ حدیبیہ کی بیعت جہاد کفار میں منحصر تھی۔ اور اس کو مروجہ پیری مریدی سے کوئی تعلق نہیں۔ مگر اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ یہ خیال سراسر لغو و باطل ہے۔ کیونکہ بیعت حدیبیہ کے الفاظ علی السمع والطاعۃ سے ظاہر ہے کہ اس بیعت میں مشرکین سے جہاد اور دوسرے اعمال صالحہ بھی داخل ہیں۔ اور اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے بیعت حدیبیہ جہاد ہی میں منحصر تھی۔ پھر بھی اس بیعت سے کم از کم اتنا تو بالاجماع ثابت ہی ہو گیا کہ کسی امر دینی کا کسی کے ہاتھ پر عہد کرنا اس کی اصل شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت و ماثور، بلکہ ماموربہ و ماجور علیہ ہے۔ پھر مروجہ پیری مریدی میں اگر مرید اپنے پیر کا ہاتھ پکڑ کر اتباعِ شریعت و اعمال صالحہ کا عہد کرتا ہے۔ تو یہ کیونکر محلِ اعتراض ہو سکتا ہے؟

بلکہ اگر بغور دیکھا جائے تو در حقیقت مشایخ کی بیعت بھی ایک قسم کی بیعت جہاد ہی ہے۔ چنانچہ تفسیر جواہر التنزیل میں آیت :۔ وَجَاهِدُوْا فِى اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کے تحت مذکور ہے۔

قال الامام الراغب الجهاد ثلثه اضرب مجاهدة العدو الظاهر ومجاهدة الشيطان ومجاهدة النفس وتدخل ثلثها فى قوله تعالىٰ وجاهدوا فى الله حق جهادة۔	امام راغب نے فرمایا کہ جہاد کی تین قسمیں ہیں۔ ظاہری دشمن (کفار) سے جہاد۔ شیطان سے جہاد۔ نفس سے جہاد۔ اور یہ تینوں جہاد آیت "وجاهدوا فى الله حق جهاده" میں داخل ہیں۔

احادیث صحیحہ سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ جاھدوا الکفار بایدیکم والسنتکم یعنی کفار سے جہاد کرو اپنے ہاتھوں، اور زبانوں سے۔ یہ قسم اول کا جہاد ہے۔ دوسری حدیث میں آیا کہ "جاھدوا اھوائکم کما تجاھدون اعداءکم" یعنی جہاد کرو اپنی خواہشات نفسانیہ سے جیسے کہ تم اپنے دشمنوں (کفار) سے جہاد کرتے ہو۔ یہ دوسری اور تیسری قسم کا جہاد ہے بلکہ فی الحقیقت نفس سے جہاد تو اعلیٰ قسم جہاد ہے۔ جس کو حدیث شریف میں جہاد اکبر فرمایا گیا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک میدانِ جنگ سے واپس ہوتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رجعنا من

الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر۔ یعنی چھوٹے جہاد (جہاد کفار) سے ہم بڑے جہاد (جہاد نفس) کی طرف پلٹے۔ مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ المجاهد من جاهد نفسه فی طاعة الله یعنی مجاہد (کامل) وہی ہے جو طاعت الٰہی میں اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے۔

احادیث مذکورہ بالا سے جہادِ نفس کا اعلیٰ قسمِ جہاد، اور جہاد اکبر ہونا ثابت ہے۔ اور جب جہادِ اصغر یعنی جہاد کفار کے لئے بیعت کا مشروع ومسنون ہونا مسلم ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ جہاد اکبر یعنی جہادِ نفس کیلئے بطریق اولیٰ مشروع ومسنون نہ ہو پھر ایک بیعت کو ماثور و ماجور علیہ قرار دینا اور دوسری بیعت کو بدعت وضلالت کہنا سراسر سفاہت وجہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

آیت (۳) یا یها النبی	اے نبی جب تمھارے حضور مومن
اذا جاءك المؤ منت	عورتیں اس بات کی بیعت کرنے کے
یبا یعنك علی ان لا	لئے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ
یشرکن با لله شیئا	شرک نہیں کریں گی اور چوری نہ کرینگی
ولا یسرقن ولا یزنین	اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو
ولا یقتلن اولادهن ولا یاتین	قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھوں
ببهتان یفترینه بین ایدیهن	پیروں کے درمیان گڑھ کر کسی پر
وارجلهن ولا یعصینك	بہتان نہ لگائیں گی۔ اور کسی حکم شریعت
فی معروف فبا یعهن	میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی تو

واستغفر لهن الله ان الله غفور رحیم۔ ان عورتوں سے بیعت لو اور اُن کے لئے مغفرت چاہو اللہ سے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے !

عورتوں کی یہ بیعت فتح مکہ کے دن ہوئی۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام صفا کی پہاڑی پر رونق افروز تھے۔ پہلے آپ نے مومن مردوں سے بیعت لی پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم فرمایا کہ پہاڑی کے نیچے اتر کر عورتوں سے بیعت لیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں سے بیعت لیتے تھے اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے احکام ان عورتوں تک پہنچاتے تھے۔ (تفسیر معالم التنزیل)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مردوں اور عورتوں سے بیعت لی اور آیت میں جن اعمال صالحہ پر بیعت کا ذکر ہے ان میں سے ایک بھی قتال کفار سے متعلق نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ بیعت اتباع شریعت و تزکیۂ نفس ہی کے لئے تھی جو بالکل مروجہ پیری مریدی کے ہم معنی ہے۔

نیز معالم التنزیل کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یہ بیعت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے خصائص میں سے نہ تھی۔ بلکہ دوسرے علمائے حقیقت و مشایخ طریقت بھی اس بیعت کے مجاز ہیں جیسا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باجازتنا حضور علیہ الصلوۃ والسلام

عورتوں سے یہ بیعت لی۔

خلاصہ یہ کہ تزکیۂ نفس واتباعِ شریعت کے لئے مشایخ کی بیعت جس کو پیری مریدی کہتے ہیں۔ قرآن کریم سے ثابت و باعث رضائے الٰہی ہے۔ جو خیر القرون سے آجتک جاری ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

بہت سی احادیث صحیحہ بھی اس بارے میں موجود ہیں کہ مشایخ صوفیہ کی پیری مریدی زمانۂ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں موجود تھی چنانچہ ہم یہاں چند حدیثوں کے تراجم نقل کرتے ہیں۔

حدیث (۱) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک جماعت سے جو اس وقت حاضر تھی یہ فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے بیعت کرو۔ اس بات پر کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گے۔ اور چوری نہ کرو گے۔ اور زنا نہ کرو گے۔ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے۔ اور اپنے آپ سے گڑھ کر کسی پر بہتان نہ باندھو گے۔ اور کسی حکم شریعت میں نافرمانی نہ کرو گے۔ تو ہم سب حاضرین صحابہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کی۔ (بخاری ومسلم)

حدیث (۲) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ عرض کی کہ یا رسول اللہ اپنا دست مبارک پھیلائیے میں آپ سے بیعت کرونگا۔

توحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیلا دیا۔

(مشکوٰۃ شریف)

حدیث (۳) اُمیمہ بنت رُقیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے عورتوں کی ایک جماعت کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ (مشکوٰۃ شریف)

حدیث (۴) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی بیعت کے متعلق فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ المؤمنٰتُ کی آیت سے عورتوں کا امتحان فرماتے تھے اور جو عورت اس آیت میں ذکر کی ہوئی باتوں کا اقرار کرلیتی تھی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس سے فرما دیتے تھے کہ میں نے تجھ سے بیعت لے لی۔ یہ بذریعہ کلام ہوتی تھی۔ خدا کی قسم کبھی بھی حضور کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ سے بیعت کے وقت نہیں لگا۔ (بخاری شریف)

یہ چاروں حدیثیں صراحۃً اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مشایخ کی مروجہ پیری مریدی۔ بلکہ طریقۂ بیعت بھی سب کچھ زمانۂ نبوی میں موجود و معمول تھا۔ اور یقیناً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت اور مشایخ کی پیری مریدی میں سرِمو فرق نہیں!

مذکورہ بالا حدیثوں کے علاوہ اور بھی بہت سی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے کبھی ہجرت و جہاد پر، کبھی ارکان اسلام کی پابندی پر، کبھی شریعت پر عمل

کرنے اور گناہوں سے بچنے پر، چنانچہ ایک مرتبہ انصار کی عورتوں سے
نوحہ نہ کرنے پر بیعت لی۔ اسی طرح چند محتاج مہاجرین سے اس بات پر
بیعت لی کہ وہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کریں۔ چنانچہ بیعت کے بعد
ان مہاجرین کا یہ حال تھا کہ اگر گھوڑے سے ان لوگوں کا کوڑا زمین پر گر پڑتا
تو یہ لوگ کسی سے کوڑا اٹھا دینے کا بھی سوال نہ کرتے تھے بلکہ خود گھوڑے
سے اتر کر کوڑا اٹھاتے تھے۔

الحاصل بعض عوام، اور چند پڑھے لکھے جاہلوں کا یہ خیال کہ حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں بیعت
جہاد اور بیعت خلافت کے سوا کوئی بیعت نہیں ہوتی تھی یہ سراسر مطالعہ
کی کمی اور لاعلمی کا وبال ہے۔ ورنہ احادیث مذکورہ بالا سے واضح ہے کہ
ان میں سے کوئی بھی بیعت نہ تو بیعت جہاد تھی نہ بیعت خلافت۔ بلکہ یہ تمام
بیعتیں اعمال صالحہ سے متعلق تزکیۂ نفس کے لئے تھیں۔ جو زمانۂ رسالت
مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آج تک جاری ہیں۔ جیسا کہ مشایخ کرام
کے شجروں سے ظاہر ہے۔ ہاں البتہ فرق اتنا ہے کہ زمانۂ نبوت اور
خلفائے راشدین کے دور میں چونکہ یہ حضرات علوم ظاہر و باطن اور
انتظام سیاست و ملت سبھی کمالات کے جامع تھے اس لئے بیعت
خلافت و بیعت جہاد و بیعت تزکۂ نفس غرض ساری بیعتیں انہی کے
دست حق پرست پر ہوئی تھیں، اور ان بیعتوں میں باہم کوئی خاص امتیاز
بھی نہ تھا۔ لیکن خلافت راشدہ کا دور گزر جانے کے بعد جب امارت و

وسلطنت کا زمانہ شروع ہوگیا تو اس وقت خلافت کی بیعت تو خلفاء اور امیروں کے ہاتھ پر ہونے لگی۔ اور بیعت توبہ و تزکیۂ نفس کی سنت قائم کرنے کے لئے علماء ربانیین و مشایخ دین کی جماعت قائم ہوئی۔ اور ان بزرگوں نے اس سنت کریمہ کو ہر دور میں زندہ رکھا۔ اور ہر قرن میں یہ مبارک طبقہ موجود و مقبول رہا۔ اور ہر دور کے علمائے حق نے ان بزرگوں کی بیعت و صحبت کو وصول الی اللہ کا ذریعہ قرار دیا۔ چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے :-

"دولت (معرفت) ہر چند کہیں سے بھی پہنچے مگر اس کو اپنے پیر ہی کی طرف راجع کرنا چاہئے اور یہ دولت جس جگہ سے بھی ملے اپنے پیر ہی کی طرف سے سمجھنا چاہیئے۔

(مکتوبات امام ربانی)

مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ نے مثنوی شریف میں فرمایا ؎

نفس را نکشد بغیر از ظل پیر ... دامن آں نفس کش محکم بگیر
ہیں مرو تنہا ز رہبر سر مپیچ ... تا نہ بینی عون و لشکر ہائے شیخ

شرائط و آدابِ مشائخ

واضح رہے کہ درجۂ مشائخ جتنا عظیم الشان منصب ہے۔ اتنا ہی مشکل
و پرخطر بھی ہے ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

مشیخت کا بارِ عظیم درحقیقت بہت ہی بڑا بار ہے کہ ہر کس و ناکس اس کا
متحمل نہیں ہو سکتا خرقہ و کلاہ بظاہر ایک ہلکا پھلکا لباس ہے مگر حاشا۔
خبردار! یہ ہلکا پھلکا لباس نہیں بلکہ امانت و ذمہ داریوں کا ایک زبردست
پہاڑ ہے جو مشائخ کے سروں کی زینت ہے۔ اس راہ کی پُرخطر وادیاں
بڑے بڑے شہسواروں کے پائے عزم و استقلال کو متزلزل کر دیتی ہیں۔
اور اس بحرِ ناپیداکنار کی ہوشربا موجیں بڑے بڑوں کا بیڑا غرق کر دیتی ہیں
ریاضات و مجاہدات کی سختیاں اس مسند کی زینت۔ اور فقر و فاقہ،
مصائب و ابتلاء اس عہدہ کا طرۂ امتیاز ہیں کسی نے خوب فرمایا ہے ؎

شیخ بودن نہ کار آسان است　　بلکہ مشکل ز کندن جان است
آسماں آسیا شود بر سر　　از سلوک شیوخ آساں تر

یعنی شیخ اور پیر بن جانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ بلکہ یہ جان کھو دنے سے
بھی زیادہ مشکل کام ہے۔ آسمان چکّی بنکر سر پر گھوم جائے یہ بہت آسان ہے

مگر مشایخ کے سلوک کی منزلوں کو طے کرنا اس سے کہیں زیادہ دشوار اور کٹھن ہے۔

مگر افسوس! کہ آجکل کے بعض پیروں اور درویشوں نے اتنے مشکل اور اہم عہدہ کو شیرِ مادر سمجھ رکھا ہے۔ جسے دیکھئے خلافت کی پگڑی یا بید مشک سی ٹوپی زیبِ تن کئے ہوئے مسندِ مشیخت پر براجمان ہے۔ اور اپنے مریدین کی کثرتِ تعداد پر فخر کر رہا ہے۔ آج ہی مرید ہوئے اور آج ہی خلافت جامعہ مجموع السلاسل سے سرفراز ہو گئے اور کل سے خود بھی خلافتِ عامہ کی ڈگری تقسیم کرنے لگے۔ ان بیچاروں پیروں اور مریدوں کو کچھ خبر نہیں کہ اس مسند کے شرائط و آداب کیا ہیں؟ اور ہم اس کے اہل بھی ہیں یا نہیں؟ پھر مصیبت یہ ہے کہ کسی نے ڈاڑھی مونچھ مُنڈ کر چار ابرو کا صفایا کرایا اور سلسلۂ قلندریہ کا شیخ بن بیٹھا۔ کوئی چھلے چوڑیاں پہن کر مہندی لگا کر سدا سہاگ بن گیا۔ کوئی لال، پیلے، سبز کپڑے پہن کر لمبے بال بڑھا کر، رنگیلے شاہ۔ لال شاہ، دلھن شاہ، انگارا شاہ، چنگارا شاہ مشہور ہوا۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ تمام فرائض و واجبات سے یہ کہکر چھٹکارا حاصل کر لیا کہ ہم اہل طریقت فقرا ہیں ہیں اہل شریعت کی پابندیوں سے کیا کام شریعت اور ہے۔ طریقت اور۔ معاذ اللہ۔ سچ فرمایا مولانا روم علیہ الرحمہ نے ان ظالموں کے بارے میں ؎

کار شیطاں می کند نامش ولی گر ولی این است لعنت بر ولی

ان حالات میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ آداب و شرائط مشایخ کا بھی مختصر تذکرہ کر دیا جائے شاید کہ سلیم القلب انسانوں کو اس سے نصیحت و عبرت حاصل ہو۔ اور نااہل لوگ یا تو اہل بننے کی کوشش کریں یا اس اہم منصب سے کنارہ کش ہو کر امت مرحومہ پر احسان عظیم فرمائیں!

مشیخت کے لئے مختلف کتب صوفیہ میں مختلف ذوق کے اعتبار سے مختلف شرائط مذکور ہیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی علیہ الرحمہ سے جب شرائط وآداب و مشیخت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ

شرائط وآداب بہ نسبت شیخ و مرید بسیار است واکثر من ان تعد وتحصی و شرح او دراز است۔	شیخ و مرید کے شرائط وآداب بہت زیادہ بلکہ گنتی اور شمار سے باہر ہیں اور ان کا بیان ایک لمبی داستان ہے

(لطائف اشرفیہ)

لیکن بہر حال ہم یہاں صوفیۂ کرام کی چند مستند کتابوں سے دس ایسی شرطیں نقل کرتے ہیں جن پر تمام صوفیہ کا اتفاق ہے۔

(۱) کم سے کم قرآن مجید اور ضروری مسائل شریعت کا علم رکھتا ہو۔ بالکل جاہل پیر بننے کا اہل نہیں!

(۲) سنی صحیح العقیدہ ہونا ضروری ہے۔ کوئی بددین، بدمذہب مثلاً وہابی دیوبندی۔ غیر مقلد۔ قادیانی۔ رافضی، خارجی وغیرہ

ہرگز پیر ہونے کے اہل نہیں ہیں۔ اور ان بد مذہبوں، گمراہوں کی بیعت حرام ہے!

(۳) متبع سنت و پابند شریعت ہو۔ کم از کم اتنا ضرور ہو کہ گناہ کبیرہ سے بچتا ہو۔ اور گناہ صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو۔ ڈاڑھی منڈانے والا یا حدِ شریعت سے زیادہ کٹانے والا، نماز و روزہ چھوڑنے والا علی الاعلان گناہ کبیرہ کرنے والا ہرگز ہرگز پیر ہونے کے لائق نہیں۔ جو شخص شریعت کے خلاف عمل کرتا ہو اگرچہ کتنی ہی بڑے آستانے کا گدی نشین اور کتنی ہی بڑی خانقاہ کا سجادہ نشین ہو ہرگز وہ شیخ ہونے کا اہل نہیں ہے۔ اور اس کی بیعت ناجائز ہے کیونکہ درحقیقت شریعت ہی کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے ؎

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

(۴) یہ بھی ضروری شرط ہے کہ شیخ کا سلسلہ علی الاتصال نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو اور سلسلہ کہیں سے بھی منقطع (کٹا ہوا) نہ ہو۔ بعض لوگ اپنے باپ یا دادا سے خود بیعت نہیں ہوتے مگر باپ دادا کی موت کے بعد اُن کے سجادہ نشین بن کر لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو باپ دادا کی خلافت و اجازت تو کہاں بیعت بھی نصیب نہیں ہوئی۔ اسیطرح بعض لوگ بلا خلافت حاصل کئے لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ اسی طرح بعض سلسلے ایسے ہیں کہ اوّل و آخر کے مشایخ تو اچھے ہیں مگر درمیان شجرہ میں کوئی ایسا شخص آگیا ہے جو اپنی بد مذہبی یا بداعمالی کی وجہ سے شیخ ہونے

کا اہل نہیں تھا۔ تو ان سب صورتوں میں سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔ اور اس سلسلے میں بیعت کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک اتصال نہیں ہوگا اور یہ شخص مشایخ کے فیضان سے محروم رہے گا۔

(۵) فرائض و واجبات کے ساتھ ساتھ سلسلے کے اذکار و وظائف کا بھی پابند ہو۔

(۶) امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتا ہو۔

(۷) اپنے مریدوں کے اعمال و حرکات کا محاسبہ کرتا ہو۔ اور انکی کسی شرعی لغزش پر مواخذہ کرنے میں چشم پوشی و کوتاہی نہ کرتا ہو!

(۸) مشایخ کی صحبت اٹھا کر کسب سلوک کر چکا ہو اور نسبت متعدیہ رکھتا ہو تاکہ اپنی باطنی توجہات سے مرید کے لطائف و دوائر پر فیض پہنچا سکے۔

(۹) مفاسد نفس و مکائد شیطان، نیز اسباب عروج و نزول سے واقف ہو۔ اور تربیت مریدین سے آشنا اور ان پر شفیق ہو۔

(۱۰) نہ محض سالک ہو۔ نہ خالی مجذوب، صوفیہ نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں بیعت کے قابل نہیں ہیں۔ بلکہ مجذوب سالک ہونا چاہیئے یا سالک مجذوب اور پہلا بہتر ہے۔

مذکورہ بالا دس شرطیں کسی شیخ میں جمع ہونے کے بعد اس کو بیعت سلوک کے قابل جاننا چاہیئے کہ بغیر ان شرطوں کے بیعت سلوک محض بے سود بلکہ بجائے مفید ہونے کے ایک حیثیت سے مضر ہے۔ بزرگوں

نے فرمایا ہے کہ جو شخص شرائط مشیخت کے بغیر شیخ بن بیٹھا وہ راہبر نہیں۔ بلکہ راہزن ہے کہ اس نے اپنے مرید کا راستہ کاٹ دیا ہے۔ کیونکہ وہ مرید اس نااہل سے بعیت ہو جانے کے سبب سے شیخ کامل کی تلاش سے رک گیا۔

آدابِ مشایخ

شرائط مشیخت کی طرح آداب مشایخ کے بارے میں بھی اپنے اپنے ذوق کے لحاظ سے بزرگوں نے مختلف آداب کا تذکرہ لکھا ہے۔ مگر ہم یہاں ایسے دس آداب کا ذکر کرتے ہیں جو ایک حد تک جامعِ آداب ہیں!

(۱) شیخ کو چاہئے کہ مریدین کا خواہشمند نہ ہو۔

(۲) بہتر ہے کہ کسی کو مرید کرنے سے پہلے استخارہ کرلے!

(۳) بیعت کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ جب طالب سامنے آئے تو اس سے کلمات تواضع کہے۔ اور دو ایک بار اس کو ٹال دے تاکہ اس کی طلب کی صداقت کا امتحان ہو جائے!

(۴) بوقت بیعت پیر و مرید دونوں غسل کریں یا کم سے کم دونوں باوضو ہوں۔

(۵) بیعت سے پہلے طالب سے دریافت کرلے کہ وہ کون سے سلسلے میں بیعت کا خواہشمند ہے!

(۶) مرید ہونے والا اگر مرد ہو تو بوقت بیعت اس کا ہاتھ مصافحہ کے طریقے سے پکڑ کر بیعت کرے۔ اور اگر عورت مرید ہونا چاہے

تو اس کو پردہ کے اندر بٹھا کر اپنا رومال یا عمامہ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر مرید کرے۔ اور ہرگز ہرگز اس کا ہاتھ پکڑ کر مرید نہ کرے کہ غیر محرم کو کسی عورت کا ہاتھ پکڑنا بلا ضرورت شرعیہ حرام ہے۔ اور اس بارے میں عالم، پیر، فقیر سب برابر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ خدا کی قسم بیعت کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہاتھ کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں لگا۔ (بخاری شریف)

آجکل کے بعض اُن پیروں کو اس حدیث سے عبرت ہونی چاہئے جو بے پردہ عورتوں کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ پیر کا نفس تو مردہ ہوتا ہے۔ لہذا پیر سے پردہ کی ضرورت نہیں۔ معاذ اللہ! بھلا سرکار دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کس کو اپنے نفس پر قابو ہوگا۔ کہ آپ معصوم تھے۔ پھر بھی بوقت بیعت آپ نے کسی عورت کے ہاتھ کو ہاتھ نہیں لگایا۔

(۷) بعد بیعت مرید کو شجرہ عطا کرے۔ اور اپنے سلسلے کے اذکار و وظائف تعلیم کرے۔ لیکن مبتدیوں کے سامنے رموز و اسرارِ طریقت بیان کرنے سے زبان روکے۔ اور ہر مرید کو اس کی استعداد و صلاحیت کے لحاظ سے لطائف و مقامات کی تعلیم کرے اور مراقبہ کا طریقہ سکھائے اور اپنی صحبت میں رکھکر حلقہ بھی کرتا رہے!

(۸) حتی الامکان مریدین کے سامنے کوئی کام خلافِ سنت سرزد نہ

نہ ہونے پائے کہ ان کے لئے سند بن جائے۔

(۹) مریدین کے ساتھ خوش اخلاقی اور نیک سلوک رکھے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کی سنت کریمہ ہے۔

(۱۰) امتیازی لباس اور اسباب جاہ و شہرت سے حتی الوسع پرہیز کرے۔ اور گوشہ نشینی کو سفر پر ترجیح دے۔

ان کے علاوہ تمام آدابِ شریعت آدابِ مشایخ ہیں۔ لہذا ہر دم ہر قدم پر اتباع شریعت کو لازم پکڑے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی اس کی تلقین کرتا رہے۔

اوراد مشایخ

اللہ تعالیٰ کا ذکر بغیر تعینِ ہیئآت و جلسات، تو سلفاً خلفاً بلانکیر متفق علیہ و مسلم الثبوت ہے۔ اور بے شمار آیات قرآنیہ و احادیث صحیحہ سے اس کی مشروعیت بلکہ وجوب و فرضیت ثابت ہے کہ جسکا انکار کفر قطعی ہے۔ ہاں البتہ مشایخ کے وہ اذکار و وظائف کہ جن میں اربابِ طریقت نے بموجب اشاراتِ ارواحِ طیبہ و الہامات صادقہ کے کچھ ہیئآت و جلسات کے تعینات مقرر فرما دئے ہیں۔ تو اعیان ملت و اکابرامت نے ان کو بھی مقبول ہی قرار دیا۔ اور ان تعینات کو بھی سرچشمۂ ہدایت ہی کے چشم و ابرو کا اشارہ جان کر فیوض و برکات

اہلِ طریقت سے مالا مال ہوئے۔ لیکن سفہائے دہر و دشمنانِ اولیاء بھلا کب اعتراض سے چوک سکتے تھے اور بقولے ؎

نیشِ عقرب نہ از پۓ کین است　　مقتضائے طبیعتش این است

وہ اپنی فطرت کے بموجب اہل اللہ کی نیش زنی سے کب باز رہ سکتے تھے انھوں نے از راہ سفاہت ان اوراد و وظائف بلکہ تمام معمولات مشائخ کو نہ صرف جدت طرازی سے تعبیر کیا بلکہ بہ اک جنبشِ قلم بدعت و ممانعت کا فتویٰ دے دیا۔ علمائے ملت اگرچہ ہر دور میں برابر ان خشک مغز ملاؤں کی سرکوبی و دنداں شکنی فرماتے رہے۔ مگر ان لوگوں کے حد سے فزوں تر ہذیانات آج بھی بعض رسائل واخبار کے کالموں میں یہ گندگی پھیلاتے رہتے ہیں کہ صوفیہ کرام بدعتی ہیں اور ان لوگونکے ذکر کے طریقے، ان کے وظائف ومعمولات بدعت ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن بہر حال ہمیں اُن مہر شدہ قلوب قاسیہ سے تو نہ کوئی مطلب ہے۔ نہ حاجت خطاب۔ ہاں البتہ اولیا اللہ سے محبت رکھنے والے سنی بھائیوں کے لئے جو اپنی کم علمی سے ان گمراہوں کے دام تزویر کا شکار ہو رہے ہیں ہم اس مقام پر ایک قاعدہ لازمۃ الحفظ ذکر کرتے ہیں کہ جو درحقیقت معرفت حلال وحرام کے لئے سچی کسوٹی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس نورانی ضابطہ کی روشنی میں روز روشن کی طرح چمک جائیگا کہ اوراد واشغال بلکہ تمام معمولات مشایخ ہرگز حرام و بدعت نہیں۔ بلکہ سراپا نمونۂ سنت وجلوۂ آفتابِ شریعت ہیں۔

معیارِ حرام و حلال

صحیح حدیث میں وارد ہوا کہ ما احل اللہ فھو حلال وماحرم اللہ فھو حرام وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ (ابوداؤد وغیرہ) یعنی جن چیزوں کو خدا نے حلال فرمادیا وہ حلال ہیں۔ اور جن چیزوں کو حرام فرمادیا وہ حرام ہیں۔ اور جن چیزوں سے سکوت فرمادیا وہ عفو و مباح ہیں۔

اسی نورانی حدیث کی روشنی میں اہل حق نے یہ اصول دین مقرر فرمایا کہ ہر چیز کی اصل اباحت وصحت ہے، حرمت یا کراہت کیلئے دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ چنانچہ علامہ علی مکی فرماتے ہیں:۔

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد والکراھۃ فیحتاج الی حجۃ (افادات رضویہ)	یہ بات سب کو معلوم ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت (درست و مباح ہونا) ہے ہاں البتہ کسی چیز کو حرام و مکروہ کہنے کیلئے دلیل کی ضرورت ہے۔

اسی طرح مسلم الثبوت میں ہے:۔

کل ما عدم فیہ المدرک الشرعی للحرج فی فعلہ وترکہ فذلک مدرک شرعی لحکم الشارع بالتخییر۔	ہر وہ مسئلہ کہ اس کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق کوئی دلیل شرعی نہ وارد ہو تو یہ دلیل شرعی کا نہ وارد ہونا ہی اس مسئلہ کے جائز و مباح ہونے کی دلیل شرعی ہوگا۔

حدیث مذکور اور تصریحات ائمہ سے واضح ہوگیا کہ کسی چیز کے

حلال و مباح ہونے کا دعویٰ کرنے والے سے دلیل طلب کرنا جہالت و خبط ہے۔ کیونکہ حلال و مباح کا دعویٰ کرنے والا اصل کا مدعی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کسی چیز کی حلت و اباحت ثابت کرنے کے لئے سکوت شریعت ہی حجت و دلیل ہے اس کے لئے اور کسی دلیل شرعی کی کیا حاجت ہے؟ ہاں البتہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ بتانے والے پر دلیل پیش کرنا لازم ہے وہ بتائے کہ شریعت نے کہاں اس کو حرام و مکروہ بتایا ہے؟ مگر فاضلان دیوبند جہلاً یا تجاہلاً سخت دھوکا دیتے ہیں کہ کسی چیز کو مباح کہنے والے سے دلیل شرعی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ میلاد شریف، عرس اولیاء، اذکار و معمولات مشائخ ہر چیز کے لئے نص و دلیل شرعی طلب کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان لوگوں کا سخت جاہلانہ فریب ہے ان فاضلوں کو اتنی بھی خبر نہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ افسوس یہ لوگ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ قائلِ جواز تو نافیِ امر و نہی ہے۔ اور نافی پر شرعاً، عقلاً، عرفاً کسی طرح مطالبۂ حجت و بینہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو کسی چیز کو حرام و ممنوع بتائے وہ نہی شرعی کا مدعی ہے۔ بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے وہ بتائے کہ شرع شریف نے کہاں منع و حرام کیا ہے؟ جو میلاد شریف، عرس کو جائز کہتا ہے اس سے دلیل طلب کرنا اعلیٰ درجے کی جہالت ہے۔ ہاں البتہ جو لوگ اس کو حرام بتاتے ہیں وہ دلیل لائیں اور بتائیں کہ قرآن کی کون سی آیت یا کس حدیث میں میلاد شریف اور عرس کو منع کیا گیا ہے۔ علامہ عبدالغنی نابلسی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ نے اپنے رسالہ "الصلح بین الاخوان" میں فرمایا:۔

ولیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالی باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لابد لھما من دلیل بل فی الاباحۃ التی ھی الاصل۔	اس میں کوئی احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز (مسکوت عنہ) کو حرام ومکروہ بتا کر خدا پر تہمت رکھو۔کیونکہ کسی چیز کو حرام ومکروہ کہنے کے لئے دلیل ضروری ہے۔بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اس چیز کو مباح کہو۔کیونکہ تمام چیزوں کی اصل مباح ہونا ہے۔
(افادات رضویہ)	

قاعدہ مذکورہ بالا حلت وحرمت کی معرفت کی بہترین کسوٹی ہے اب اذکار واوراد بلکہ تمام معمولات مشایخ کو دیکھلو کہ کسی ایک کی حرمت وکراہت میں نہی شرعی وارد نہیں۔تو پھر بلاشبہ سب تحت اباحت داخل ہوئے اور جائز ٹھہرے۔اور اہل اللہ کے تعامل کی وجہ سے ماجور علیہ (قابل ثواب) بھی ہو گئے۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہی اذکار مشایخ ومعمولات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

صحبتنا متصلۃ الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وان لم یثبت تعین الاٰداب ولا تلک الاشغال (القول الجمیل)	ہماری صحبت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک متصل ہے۔اگرچہ ہمارے (اذکار واشغال) کے آداب معینہ اور مخصوص شکلیں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام سے ثابت نہیں۔

اسی طرح مکتوبات حضرت خواجہ مظہر مرزا جانجاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مذکور ہے۔

مراقبات باطوار معمولہ کہ در قرون متاخرہ رواج یافتہ، از کتاب وسنت ماخوذ نیست بلکہ حضرات مشایخ بالہام واعلام از مبدء فیاض اخذ نمودہ اند و شرع ازاں ساکت است و داخل دائرہ اباحت۔

مراقبات جس طور پر کہ پچھلے زمانے میں رواج پا گئے (بایں ہیئت کذائیہ) قرآن وحدیث سے نہیں لئے گئے بلکہ مشایخ نے اپنے الہام سے اور باری تعالیٰ کیجانب سے خبر پاکر ان طریقوں کو حاصل کیا ہے۔ اور شریعت ان کے بارے میں خاموش ہے۔ لہذا یہ سب دائرہ اباحت میں داخل اور مباح ہیں

(افادات رضویہ)

بحث معیار حلال وحرام کے بعد اوراد معمولات مشایخ کی مشروعیت وجواز کے لئے ہمیں کسی دلیل شرعی کی حاجت نہیں لیکن محض تائید مزید کے طور پر اوراد ومعمولات مشایخ کے جواز پر اسناد ودلائل شرعیہ بھی ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تاکہ طالب حق کے لئے مزید باعث تسکین ہوجائے۔ لہذا جدا جدا عنوانوں سے معمولات مشایخ کا تذکرہ دلیلوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ تعالےٰ

فضائلِ ذکر

اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ اس بارے میں آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ اس کثرت سے وارد ہیں کہ اگر ان سب کو تحریر کیا جائے تو ایک مستقل دفتر طیار ہو جائے لیکن ہم یہاں تبرکاً صرف چند آیات و احادیث کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ تاکہ تصوف کا یہ اہم باب بھی زینتِ رسالہ ہو جائے۔

آیت (۱) واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون۔
اللہ کا ذکر بہت زیادہ کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔

آیت (۲) واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفۃ ودون الجھر من القول بالغدو والاٰصال ولاتکن من الغافلین۔
اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کرو گڑگڑا کر، اور ڈرتے ہوئے۔ اور بغیر زور سے بولے ہوئے صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافل رہنے والوں میں سے مت ہو جاؤ۔

آیت (۳) الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلی جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوات والارض
(اہل ایمان) وہ لوگ ہیں جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں کے بل اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں غور و فکر

کرتے رہتے ہیں۔

حدیث (۱) حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں ایسے عمل کی خبر نہ دوں؟ جو تمھارے رب کے نزدیک تمھارے تمام اعمال سے زیادہ بہتر اور ستھرا ہے۔ اور تمھارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے۔ اور راہِ خدا میں تمھارے سونا چاندی خرچ کرنے سے بھی بہتر ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ بہتر ہے کہ تم کفار سے جہاد کرو پھر وہ تمہاری گردن ماریں اور تم اُن کی گردن مارو۔ تو لوگوں نے عرض کی کیوں نہیں؟ یا رسول اللہ ضرور ہمیں خبر دیجیے۔ تو ارشاد فرمایا کہ (وہ عمل) اللہ کا ذکر ہے۔ (ترمذی)

حدیث (۲) حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا بندہ زیادہ افضل اور بلند مرتبہ قیامت کے دن خدا کے نزدیک ہوگا تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ خدا کا ذکر کرنے والے مرد عورتیں تو کسی نے کہا کہ یا رسول اللہ کیا یہ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی افضل ہیں۔ تو ارشاد ہوا کہ اگر وہ کفار و مشرکین میں تلوار چلائے یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں رنگین ہو جائے پھر بھی ذکر کرنے والا درجے میں اس سے بڑھ کر ہے۔ (ترمذی)

حدیث (۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے

انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قوم کسی کسی ایسی مجلس سے اٹھی جس میں انھوں نے اللہ کا ذکر نہیں کیا تو وہ قوم ایسے اٹھی جیسے مردار گدھا۔ اور ان پر افسوس ہے۔ (ابن ماجہ)

ذکر سری و جہری

ذکر کی یہ دونوں قسمیں قرآن عظیم و سنت نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہیں چنانچہ جہاں بعض آیتوں سے ذکر جہری کا ثبوت ہے وہاں بہت سی آیات سے ذکر سری بھی ثابت ہیں۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ ذکر کی یہ دونوں قسمیں شرع سے ثابت ہیں۔ اور دونوں کے جواز و مشروعیت پر تمام سلاسل کے مشایخ متفق ہیں۔ اگر اختلاف ہے تو صرف مستحب اور اولیٰ ہونے میں اختلاف ہے ورنہ دونوں کے جواز میں کسی کو بھی کلام نہیں اور اس ظاہری اختلاف کا منشا درحقیقت نصوص کا ظاہری تعارض ہے کہ بعض آیتیں اور حدیثیں ذکر جہری (بلند آواز سے ذکر) کی فضیلت کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور بعض دوسری آیات و احادیث سے ذکر سری (آہستہ ذکر) کی فضیلت ثابت ہے۔ چنانچہ بعض علماء نے ان حدیثوں میں باہم تطبیق بھی دی ہے۔ چنانچہ صاحب جواہر التنزیل کا بیان ہے

"امام نووی نے اُن حدیثوں کو جو ذکر جہری کے مستحب ہونے میں اور ان حدیثوں کو جو ذکر سری کے مستحب ہونے میں وارد ہیں۔ اس طرح تطبیق کی ہے کہ جہاں ریا کا خوف یا نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہو وہاں ذکر سری افضل ہے۔ اور اس کے علاوہ جگہوں

میں ذکر جہری افضل ہے۔ (یعنی مطلقاً کوئی بھی افضل نہیں ہے بلکہ اپنے اپنے محل میں دونوں افضل ہیں)"

مشایخِ کرام نے اپنے اپنے ذوق اور طالبوں کی استعداد و صلاحیت کے موافق ایک طریقہ اختیار فرمالیا۔ جس طرح ایک طبیب حاذق دو متوازی النفع نسخوں میں سے ایک ہی مرض کے دو مریضوں کو اُن کے مزاج کے موافق ایک ایک نسخہ استعمال کراتا ہے۔ الحاصل یہ اختلاف چنداں قابلِ التفات نہیں کیونکہ ذکر کا دونوں طریقہ مشایخ کا معمول رہا ہے چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ بعض چشتی و قادری بزرگوں کی خانقاہوں میں ذکرِ جہری کے ساتھ ذکر سری بھی رائج تھا۔ اسی طرح بعض نقشبندی مشایخ نے بھی ذکر جہری کیا ہے۔ چنانچہ اہل شجرہ واقف ہیں کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ محمود انجیر فغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت خواجہ سید امیر کلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ذکر سری و جہری دونوں رائج تھا۔ لیکن حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پھر ذکر سری رائج ہوا جو آج تک اکثر حضرات نقشبندیہ کا معمول ہے لیکن واضح رہے کہ ان بزرگوں نے ہرگز کبھی ایک دوسرے پر طعن نہیں کیا مگر آجکل کے نام نہاد صوفیوں پر نہ صرف تعجب بلکہ افسوس ہے کہ اس مسئلے میں اس قدر غلو و تشدد سے کام لیا جارہا ہے کہ الامان الامان ہر ایک دوسرے کی تغلیط و تکذیب پر تُلا ہوا ہے اور فریقین میں سے ہر ایک دوسرے پر انتہائی بے باکی کے

ساتھ زبانِ طعن دراز کئے ہوئے ہے۔ افسوس کہ دونوں ہی اپنے اپنے بزرگوں کے طریق کار سے دور ہوگئے۔ فیا اسفاہ دیا حسرتاہ۔

تسبیح و عقد انامل

مشایخ کرام کا معمول ہے کہ وہ اپنے اوراد وظائف کو ایک معین تعداد میں تسبیح کے دانوں یا انگلیوں پر گن کر پڑھتے ہیں۔ بعض ناواقف اس تعیین تعداد اور تسبیح کے استعمال کو بدعت گمان کرتے ہیں حالانکہ یہ دونوں باتیں خیرالقرون کا معمول ہیں اور ان میں قطعاً کوئی جدت نہیں ہے۔

تعیین تعداد تو ایسا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ اس میں مجال انکار ہی نہیں۔ کیونکہ اکثر و بیشتر اوراد منقولہ کی خود منجانب شارع تعداد مقرر ہے کتب حدیث میں صدہا ایسی دعائیں اور اوراد موجود ہیں کہ جن کی تعداد معین ہے۔ تسبیح فاطمی، صلوۃ التسبیح وغیرہ منجملہ انھیں اوراد میں ہیں کہ جنکی تعداد خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بوقت تعلیم معین فرمائی اوراد مشایخ کی تعداد اولاً تو اکثر و بیشتر وہی اعداد ہیں جو شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے منقول ہیں۔ ہاں بعض وظائف واوراد ایسے

ہیں کہ جن کی من جانب شرع کوئی تعداد معین نہیں۔ بلکہ خود مشایخ نے اپنے تجربات یا ارواح طیبہ کے ارشادات سے تعداد معین فرمائی ہے۔ لیکن جب تعیین تعداد کی اصل شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے تو پھر مشایخ کی تعیین تعداد کیونکر محل اعتراض ہوسکتی ہے؟

اب رہا وظیفوں کی معین تعداد کو تسبیح کے دانوں پر یا انگلیوں کے پوروں پر گن کر پڑھنا۔ تو یہ دونوں باتیں زمانۂ نبوت سے تا ہنوز برابر متوارث ہیں۔ جن پر کثرت سے احادیث صحیحہ کی شہادت ہے۔ لیکن ہم یہاں صرف دو حدیثوں کے نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو ارباب بصیرت کے لئے بہت کافی ہیں۔

حدیث (۱) حضرت یُسَیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے اور یہ ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ تسبیح وتقدیس وتہلیل کو لازم پکڑو۔ اور انگلیوں پر گن گن کر پڑھو۔ کیونکہ تمھاری انگلیوں سے قیامت میں سوال کیا جائے گا اور وہ بولیں گی اور اے عورتوں، تم غفلت نہ برتو ورنہ رحمت سے محروم کردی جاؤگی۔ (ترمذی)

حدیث (۲) حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ ایک عورت کے پاس سے گزرے اور اُن عورت کے سامنے کچھ کنکریاں یا گٹھلیاں

تھیں کہ وہ ان پر گن گن کر خدا کی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تم کو اس سے زیادہ آسان یا افضل صورت نہ بتاؤں (تم اس طرح تسبیح پڑھو) میں پاکی بیان کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کی تعداد میں جن کو اس نے آسمان میں پیدا فرمایا اور میں پاکی بیان کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کی تعداد میں جن کو اُس نے زمین میں پیدا فرمایا۔ اور میں پاکی بیان کرتی ہوں اللہ کی اُن چیزوں کی گنتی کے برابر جن کو اس نے زمین و آسمان کے درمیان میں پیدا فرمایا ہے اور میں پاکی بیان کرتی ہوں اللہ کی ان چیزوں کے عدد کے برابر جن چیزوں کو اس نے پیدا فرمایا ہے۔ اور اللہ اکبر بھی اسی طرح اور الحمد للہ بھی اسی کے مثل اور لا الہ الا اللہ بھی اسی کے مانند پڑھو (ترمذی)

حدیث مذکور میں ایک صحابیہ کا کنکری یا گٹھلی پر گن گن کر وظیفہ پڑھنا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ دیکھکر اُن کو منع نہ فرمانا اسکے جائز و مباح ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر اس میں ذرا بھی قباحت یا کراہت ہوتی تو آپ بحیثیت صاحب شریعت ہونے کے ضرور منع فرماتے۔ اس لئے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر آپ کا فرض و مقصد بعثت تھا۔ مگر آپ نے بالکل منع نہ فرمایا۔ بلکہ سکوت فرمایا اور ان پر شفقت فرماتے ہوئے آسانی کے خیال سے ایک آسان تسبیح کی تعلیم فرما دی۔ اور ظاہر ہے کہ کنکری گٹھلی اور مشایخ صوفیہ

کی تسبیح میں اس کے سوا کچھ بھی فرق نہیں ہے کہ گٹھلی کے دانے الگ الگ ہیں اور تسبیح میں سب دانے ایک دھاگے میں پر دلئے گئے ہیں چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے تحت حدیث مذکور تحریر فرمایا کہ:۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اُن صحابیہ کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ اور صرف ایک آسان وافضل چیز کی راہنمائی فرمادی۔ اور اگر یہ (کنکری وگٹھلی پر گن کر پڑھنا) مکروہ ہوتا۔ تو ضرور حضور علیہ الصلاۃ والسلام ان صحابیہ سے بیان فرما دیتے۔ اور مشائخ کی تسبیحوں میں اس حدیث کے مضمون سے کوئی زائد بات نہیں ہے بجز اسکے کہ گٹھلیوں کو ایک دھاگے میں پر دیا گیا ہے۔ اور ممنوع ہونے میں اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا ہے۔ تو پھر تسبیحوں کو بنانا اور ان کو استعمال کرنا جو صالحین صوفیہ سے منقول ہے اس میں قطعاً کوئی حرج نہیں۔ (ردالمحتار)

الحاصل کنکری اور گٹھلی پر گن گن کر ذکر کرنا حدیث صحیح سے ثابت ہے۔ اور علامہ شامی کی تصریح کے بموجب گٹھلی اور تسبیح کے دانوں میں کچھ فرق نہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ کنکری اور گٹھلی پر ذکر کرنا تو سنت صحابہ اور حدیث سے ثابت تسلیم کیا جائے۔ اور غریب صوفیوں کی تسبیح بدعت ٹھیرے۔ ان ھذا لشئ عجاب۔

بعض کم علموں کو یہ کہتے سنا کہ چونکہ تسبیح پر ذکر کرنے سے ریا کا ظہور ہوتا ہے اس لئے تسبیح رکھنا مکروہ ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ پھر اس

صورت میں تسبیح کی کیا تخصیص ہے؟ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت قرآن غرض اسلام کے تمام اعمال صالحہ اگر بہ نیت ریا کئے جائیں گے تو حرام ہوں گے۔ بیشک ہم بھی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ جو شخص ریاکاری کی نیت سے تسبیح رکھتا ہے اس کے لئے تسبیح کا استعمال ممنوع و ناجائز ہے مگر یہاں تو نفس شی کے حکم میں گفتگو ہے کہ فی نفسہٖ تسبیح رکھنا حلال ہے یا حرام؟ پھر پاک نفس نیک نیت اولیائے صالحین پر بلا وجہ یہ گمان کرلینا کہ یہ لوگ ریاکاری کے لئے تسبیح جھلاتے ہیں۔ کتنی سخت بدگمانی ہے کیا یہ ان بعض الظن اثم میں داخل نہیں ہے؟ کیا یہ اللہ والوں کے ساتھ بے ادبی نہیں ہے؟ اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ۔

مشائخ کا حلقہ

لغت میں گھیرا بنا کر بیٹھنے کو حلقہ کہتے ہیں۔ اور اصطلاح صوفیہ میں حلقہ اس مجلس ذکر کو کہتے ہیں جسمیں شیخ مریدین کو متوجہ کر کے تلقین ذکر کرتا ہے۔ بعض کم علم اس طریقے کو بھی مشائخ کی جدّت طرازی اور بدعت قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ذکر کا یہ طریقہ بھی سنت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آثار صحابہ سے ثابت ہے۔ اور اس کی فضیلت میں کثرت سے احادیث وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہم

اس جگہ مختصراً صرف تین۳ حدیثوں کا ذکر کرتے ہیں۔

حدیث (۱) ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا کہ میں غریب مہاجرین کے درمیان بیٹھا ہوا تھا اور کپڑا نہ ہونے سے یہ حالت تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح مل کر بیٹھے تھے کہ ایک کے بدن کا دوسرے کے بدن سے پردہ ہو جاتا تھا۔ اور ایک قاری قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں حضور علیہ الصلاۃ والسلام تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو گئے۔ قاری چُپ ہو رہا پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے تھے؟ تو ہم نے عرض کیا کہ ایک قاری پڑھتا تھا اور ہم اپنے رب کی کتاب سن رہے تھے۔ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا کہ مجھے حکم ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ اپنی ذات کو وابستہ رکھوں۔ یہ فرما کر حضور علیہ الصلاۃ والسلام درمیان میں بیٹھ گئے تاکہ اپنی ذاتِ کریم کو ہمارے برابر ظاہر فرمائیں۔ پھر اپنے دستِ مُبارک سے اشارہ فرمایا تو سب لوگوں نے حلقہ بنا لیا۔ اور سب کا چہرہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے سامنے ہو گیا۔ (ترمذی، ابی داؤد)

حدیث (۲) جب جنت کے باغوں میں تمھارا گزر ہو تو میوہ چنو لوگوں نے عرض کیا کہ جنت کے باغات کون ہیں؟ تو ارشاد فرمایا ذکر کے حلقے۔ (مشکوٰۃ)

حدیث (۳) گھڑی بھر تیرا اس حلقہ میں بیٹھنا جس میں لوگ اللہ تعالےٰ کا ذکر کریں۔ ہزار سالہ عبادت سے بہتر ہے۔ (تفسیر جواہر التنزیل)
ہر سہ حدیث حلقہ کے فضائل میں وارد ہیں۔ اور پہلی حدیث میں جس حلقے کا ذکر ہے اس میں مشایخ کے مروجہ حلقے میں سرمو فرق نہیں شیخ کا مریدین کے درمیان میں بیٹھنا۔ مریدین کا شیخ کی طرف چہرہ کر کے ہمہ تن متوجہ ہونا۔ گھیرا بنا کر بیٹھنا غرض مشایخ صوفیہ کے حلقے میں جو کچھ ہوتا ہے۔ سبھی امور ثابت ہو گئے۔ فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذٰلک۔

تلقین و توجہ

صوفیہ کرام کا یہ بھی معمول ہے کہ مشایخ کرام حلقے میں مریدین کو فرداً فرداً یا پوری جماعت پر توجہ فرماتے ہیں۔ اور مرید کے لطائف و مقامات پر تلقین ذکر فرماتے ہیں۔ اور مرید آنکھ بند کر کے ہمہ تن شیخ کی طرف متوجہ ہو کر برکت کا ادراک کرتا ہے۔ اور کبھی پیر کے ساتھ ساتھ مریدین بھی بصورت حلقہ بیٹھ کر پیر کے تلقین کرنے پر ذکر کرتے ہیں۔ صوفیہ کا یہ معمول بھی جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ خواص صحابہ کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی تنہا تنہا اور کبھی جماعت جماعت کو بصورت حلقہ توجہ فرما کر تلقین

ذکر فرماتے تھے چنانچہ امام احمد وطبرانی کی روایت میں ہے کہ
حدیث (۱) نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو تلقین فرمائی بصورت جماعت بھی اور تنہا تنہا بھی۔ بصورت جماعت تلقین کے بارے میں حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہم لوگ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی اجنبی یعنی اہلِ کتاب ہے۔ تو میں نے کہا نہیں۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ تم لوگ ہاتھوں کو اٹھاؤ اور لا الہ الا اللہ کہو۔ (جامع الاصول)

حدیث (۲) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلاۃ و السلام سے سوال کیا کہ آپ مجھے ایسے راستے کی راہنمائی فرمائیے جو سب سے زیادہ خدا کے قریب اور اس کے بندوں پر سب سے زیادہ آسان و افضل ہو۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ سب سے زیادہ افضل کلمہ جو میں نے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء نے کہا وہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین ترازو کے ایک پلے میں رکھے جائیں۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دوسرے پلے میں تو یقیناً یہی پلہ بھاری رہے گا۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اے علی ان لوگوں پر قیامت نہیں قائم ہوگی جو اللہ کا ذکر کرتے رہیں گے۔ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یا رسول اللہ میں کس طرح ذکر

کر دوں۔ تو ارشاد فرمایا کہ آنکھیں بند کر لو اور مجھ سے تین مرتبہ سنو پھر تم تین مرتبہ پڑھو اور میں سنوں۔ پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے چشمان مبارک بند فرمائے ہوئے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ بلند آواز سے فرمایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنتے رہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی طرح کہا اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام سن رہے تھے۔

(جامع الاصول ملا احمد کشمخی نوری خالدی)

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں سے مشایخ صوفیہ کے طریق تلقین ذکر کا بین ثبوت ملتا ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مس لطائف ودوائر

مشایخ صوفیہ خصوصًا حضرات نقشبندیہ کا معمول ہے کہ بوقت حلقہ دوران توجہ میں شیخ مرید کے لطائف ودوائر پر گاہے گاہے اپنا ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ جس سے مرید کے وساوس وخطرات دور ہو کر اطمینان و یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور اکتساب فیض کی استعداد بھی پیدا ہو جاتی ہے

صوفیہ کا یہ معمول بھی سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے چنانچہ دفع وسوسہ اور تحصیل استعداد کے لئے اکثر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصحاب کبار کے لطائف پر اپنا دست مبارک رکھا۔

جیسا کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له ام قومك قال قلت يا رسول الله انى اجد فى نفسى شيئاً قال ادنه فاجلسنى بين يديه ثم وضع كفه فى صدرى بين ثديى ثم قال تحول فوضعها فى ظهرى بين كتفى ثم قال ام قومك۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان (عثمان بن ابی العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے فرمایا کہ تم اپنی قوم کی امامت کرو۔ تو انھوں نے کہا کہ میں نے یہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں اپنے اندر کچھ (جھجک اور وسوسہ) پاتا ہوں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ قریب ہو جاؤ پھر مجھے اپنے روبرو بٹھایا۔ پھر اپنی ہتھیلی میرے سینے پر میری دونوں چھاتیوں کے بیچ میں رکھی پھر یہ فرمایا کہ پیٹھ پھیر لو۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے میری پیٹھ پر دونوں شانوں کے درمیان میں ہتھیلی رکھی اور اسکے بعد یہ فرمایا کہ تم اپنی قوم کی امامت کرو۔

(مشکوٰۃ)

الحاصل بوقت تعلیم و تلقین لطائف پر ہاتھ رکھنا کوئی نئی چیز

نہیں ہے، بلکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔ چنانچہ حدیث مذکور سے بوقت تعلیم سینے اور پیٹھ پر دست مبارک کا رکھنا اور اُسکے اثرات کا قلب پر محسوس ہونا۔ پھر اس سے وسوسوں اور خطروں کا دور ہو کر شرح صدر ہو جانا یہ تمام امور اس حدیث سے ثابت ہو گئے۔ مشائخ صوفیہ کے اس عمل سے بھی تقریباً یہی ثمرات و فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اہل حال پر مخفی نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ادراکؔ یا نِسبتؔ

شیخ کامل کی توجہ سے طالب کے لطائف و مقامات پر ورودِ برکت سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اور طالب اس کو محسوس بھی کرتا ہے۔ اصطلاح صوفیہ میں اس کو ادراک کہتے ہیں۔ اور اسی کو بعض صوفیہ نسبت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ہر مقام کی کیفیات اور اُنکے رنگ جدا جدا ہیں۔ جن کی حقیقت دریافت کرنے کے لئے خود اپنے اوپر اس حال کا گزر جانا ضروری ہے۔ یہ سب باطنی کیفیات تقریر و تحریر سے مافوق ہیں۔ اور کسی طرح بھی کما حقہ یہ شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتیں۔ زبان قال و قلم اس کے حضور صم و بکم ہے ؎

قال را بگذار دمرد حال شو ٭ پیش مرد عارفے پامال شو

اسی کی طرح اشارہ ہے۔ اس کیفیت کا بیان اور اس کا نشان بھی قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:۔

قال تلا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان النور اذا دخل الصدر انفسح فقیل یارسول اللہ ھل لتلك من علم یعرف قال نعم التجافی من دار الغرور والاستعداد للموت قبل نزولہ۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام یعنی خدا جس کی ہدایت کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نور (معرفت) جب سینے میں داخل ہوتا ہے۔ تو سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کیا اس کی کوئی نشانی بھی ہے؟ جس سے (اس شرح صدر کی) پہچان ہو جائے۔ تو ارشاد فرمایا کہ ہاں، دنیا سے علحدگی اختیار کرنا اور آخرت کی طرف رجوع کرنا اور موت آنے سے پہلے اس کی طیاری کرنا۔

(مشکوٰۃ)

حدیث مذکور میں آیت اور خود حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بیان

فرمودہ تفسیر سے ظاہر ہے کہ ذکر الٰہی، یا توجہ شیخ یا کسی دوسری طرح سے جب بھی نور معرفت سینے میں داخل ہوتا ہے تو ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا انجام وثمرہ شرح صدر ہے۔ اسی خاص کیفیت کا نام اصطلاح صوفیہ میں "ادراک یا نسبت" ہے اور پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی تین ظاہری نشانیاں بھی وہی بیان فرمائیں جو صوفیہ کے نزدیک بھی ادراک ونسبت کا ظاہری معیار ہیں۔ جیسا کہ تصوف کی کتابوں میں صاحبان حال بزرگوں نے اس پر بہت کافی روشنی ڈالی ہے مولیٰ تعالیٰ بطفیل پیرانِ کبار حال صادق نصیب فرمائے۔ (آمین)

مراقبہ

مراقبہ کے معنی لغت میں نگرانی یا انتظار کے ہیں۔ اور عام صوفیوں کی اصطلاح میں خدا کا دھیان مراقبہ ہے۔ حضرات نقشبندیہ آنکھ بند کر کے تمام خیالات وخطرات کو رفع کرتے ہوئے ہمہ تن مستغرق ہو کر لطائف عشرہ میں سے کسی ایک لطیفہ پر عالم بالا سے فیض کا خیال کرنے کو مراقبہ کہتے ہیں چنانچہ معمولات مظہریہ میں ہے کہ

"سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں مراقبہ یہ ہے کہ پہلے آنکھ بند کر کے لطائف عشرہ میں سے کسی ایک لطیفہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور

باری تعالیٰ کی جانب سے اس لطیفہ پر فیض کا انتظار کرنا چاہیئے۔

حضرت خواجہ محمد فرزند حضرت خواجہ باقی باللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب فوائح میں فرمایا:

"مراقبہ یہ ہے کہ اپنی طاقت و قوت اور اپنے احوال و اوصاف سے منہ پھیر کر جمالِ الٰہی کے شوق اور اس کے عشق و محبت میں غرق ہو کر خداوند تعالیٰ کی ملاقات کے انتظار میں متوجہ ہو جانا۔

ہمارے امام و قبلہ حضرت شیخ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مراقبہ کا یہ طریق تمام راستوں سے زیادہ قریب ہے۔"

مراقبہ تمام سلاسل کے بزرگوں کا معمول ہے۔ بالخصوص حضرات نقشبندیہ اس کو بہت ہی اہم سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوا کہ خدا تک رسائی کے لئے یہ راستہ تمام راستوں سے زیادہ قریب ہے۔

مراقبہ کا ثبوت بہت سی آیتوں اور حدیثوں سے ہے قرآن مجید میں ہے واذکر ربك اذا نسیت یعنی تو اپنے رب کو یاد کر جب تو اس کو بھول جائے۔ حضرت خواجہ معصوم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے متعدد جگہ اپنے مکتوبات میں فرمایا کہ یہ آیت مراقبہ کا بیان ہے۔

اسی طرح مراقبہ کی سند وہ حدیث طویل ہے جس کو امام بخاری و مسلم نے بروایت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ

"تم خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو پس

اگر تم اُسے نہیں دیکھتے تو یقیناً وہ تمھیں دیکھ رہاہے ۔ (صحیحین)

حدیث مذکور مراقبہ کی صاف وصریح دلیل ہے۔اس بات کا ہردم دھیان رکھنا کہ خدا ہم کو دیکھ رہا ہے۔ اور اس کی جانب سے ورودِ فیض ہو رہا ہے۔یہی مراقبہ ہے چنانچہ علامہ ابوالقاسم قشیری نے اپنے رسالہ میں زیر حدیث مذکور فرمایا۔

"شیخ کا ارشاد ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے یہ حالت مراقبہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ مراقبہ یہی ہے کہ بندہ بہ یقین رکھے کہ رب سبحانہ وتعالیٰ اس کے ہر حال کو جانتا ہے۔بندہ ہردم اور ہر حال میں اس کا علم ویقین رکھے یہی بندے کے لئے ہر خیر اور نیکی کی جڑ ہے"۔

مراقبہ کا اصل مفہوم یہی ہے جو صاحب رسالہ قشیریہ نے بیان فرمایا ہے باقی اس کے طریقے میں ہر سلسلے کے بزرگوں نے اپنے اپنے ذوق اور تجربات کے لحاظ سے قسم قسم کے طریقوں کو ایجاد فرمایا ہے ۔پھر درجات ومراتب کے لحاظ سے اور طالبوں کی صلاحیت واستعداد کے اعتبار سے اس کی مختلف منازل بھی ہیں ۔اسی طرح مراقبہ میت مراقبۂ محبت، مراقبۂ احدیت، وغیرہ اس کی بہت سی قسمیں بھی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ ہر سلسلے کے معمولات کی کتابوں میں تحریر ہے۔

ꝏꝏꝏꝏꝏꝏꝏꝏꝏꝏ

تصورِ شیخ

شیخ یا شیخ الشیخ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کو اپنے خیال میں جمانا اس کو رابطہ یا تصورِ شیخ کہتے ہیں۔
تصورِ شیخ کو صوفیہ بالخصوص بزرگانِ نقشبندیہ کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت ہے۔ یہاں تک کہ بعضوں کے نزدیک اسی پر ارادت وسلوک کا دارومدار ہے۔ اور مرید کی نفع رسانی میں یہ صحبتِ شیخ کے مثل نفع بخش ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ نے اپنے رسالہ سرِّ رشتہ دولت میں فرمایا کہ

"اگر وہ عزیز (شیخ) غائب ہو۔ تو اس کی صورت کو خیال میں لیکر تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ قلبِ صنوبری کی طرف متوجہ ہو۔ اور جو خطرہ آئے اس کو دور کرے۔ یہاں تک کہ غیبت و بے خودی ظاہر ہو جائے اور ایسا بار بار کرنے سے اس کا ملکہ (مہارت) پیدا ہو جاتا ہے۔ اور (خدا تک رسائی کے لئے) اس سے زیادہ نزدیک کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ (معمولاتِ مظہریہ)

اسی طرح حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صدہا جگہ مکتوبات میں اس کی اہمیت و منفعت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کی تحصیل پر تاکید جمیل اور اس کے حصول پر تبشیر جلیل فرمائی ہے

ذیل میں چند حوالے تحریر کئے جاتے ہیں جو طالبِ حق کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ ہادی سبیل ہوں گے۔

مکتوبات جلد سوئم مکتوب نمبر ۱۸۷ میں تحریر فرمایا کہ

"بلا تکلف تصورِ شیخ کا حاصل ہو جانا یہ پیر و مرید کے درمیان کامل مناسبت کی نشانی ہے۔ جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ و سبب ہے، اور رسائی کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں ہے۔ جو بڑا ہی دولتمند (طریقت) ہو اُسی کو اس سعادت کی توفیق عطا فرماتے ہیں۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فقرات میں ارشاد فرمایا کہ "پیر کا سایہ ذکرِ الٰہی سے بڑھکر ہے"۔

مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۱۹۰ میں ارشاد فرمایا کہ

"اگر ذکر کے وقت پیر کی صورت بے تکلف ظاہر ہو جائے تو اس کو بھی قلب کے اندر لے جانا چاہیئے۔ اور دل میں محفوظ رکھکر ذکر کرنا چاہیئے۔ کیا تو جانتا ہے کہ پیر کون ہے؟ پیر وہ ہے کہ تو جناب باری جل شانہ تک پہنچنے کا راستہ اس سے حاصل کرتا ہے۔ اور اس راہ میں تو اس کی امداد و اعانت پاتا ہے۔

مکتوبات جلد ششم مکتوب نمبر ۳۰ دفتر دوم مطبوعہ امرتسر میں ہے،

"خواجہ محمد اشرف نے تصورِ شیخ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غلبہ پا گئی ہے۔ کہ نمازوں میں اس کو اپنا مسجود دیکھتا ہوں۔ اور اگر بالفرض اس کو دفع کرتا ہوں تو

دفع نہیں ہوتا ہے۔ میرے دوست! یہ دولت تو وہ ہے کہ طالبین اس کی تمنا کرتے ہیں۔ اور ہزاروں میں سے کسی ایک کو شاید ہی عطا کی جاتی ہے۔ جس کو یہ معاملہ پیش آئے وہ کامل مناسبت والا صاحبِ استعداد ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی صحبت سے وہ اپنے شیخ کے تمام کمالات کو حاصل کرلے گا۔ اور رابطہ (تصور شیخ) کو دفع کیوں کرتے ہو؟ وہ تو مسجود الیہ (جس سمت کو سجدہ کیا جائے) ہے۔ وہ مسجود لہ (جس کو سجدہ کیا جائے) نہیں ہے۔ اس قسم کی دولت سعادتمندوں کا حصہ ہے۔ یہاں تک کہ وہ تمام حالتوں میں صاحب رابطہ (شیخ) کو اپنا وسیلہ جانتا ہے۔ اور تمام اوقات میں اسکی طرف متوجہ رہتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے القول الجمیل میں ارشاد فرمایا:۔

اذا غاب الشیخ عنه یجعل	جب پیر موجود نہ ہو۔ تو اس کی صورت کا
صورته بین عینیه بوصف	اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان محبت
المحبة والتعظیم فتفید	و تعظیم کے ساتھ خیال جمائے تو اس
صورته ما تفید صحبته	کی صورت سے وہی فائدہ پہنچے گا جو اس کی صحبت سے پہنچتا ہے۔

یہ گذشتہ اوراق میں تحریر کیا جاچکا ہے کہ حضرات صوفیہ کرام کا کوئی معمول بھی بال برابر شریعت کے مخالف نہیں۔ لہذا ان بزرگوں کا

تصورِ شیخ کے عمل پر اس اہتمام کے ساتھ عامل ہونا بھی ہرگز ہرگز خلافِ شریعت نہیں ہو سکتا۔

بحمدہ تعالیٰ دلائل عقلیہ و نقلیہ نیز اقوال علمأ و ائمہ اس مسئلے میں اتنے کافی موجود ہیں کہ اگر اُن کو نقل کر دیا جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے۔ لیکن ہم صرف چند دلیلیں ذکر کرتے ہیں۔ واللہ الهادی الی الرشاد۔

تصورِ شیخ اور قرآن

خداوند قدوس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ارشاد فرمایا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ یعنی اُس (زلیخا) نے اُن (یوسف علیہ السلام) کے ساتھ ارادہ کر لیا۔ اور وہ (یوسف علیہ السلام) بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتے۔ جب زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں دروازہ بند کر کے اپنے مقصد کی طالب ہوئی۔ اور قریب تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھی اس طرف مائل ہو جاتے۔ مگر ناگہاں عصمتِ نبوت ظاہر ہو گئی۔ اور ان کو برہان رب کا دیدار ہو گیا جس کے سبب وہ اس ارادے سے معصوم و محفوظ رہے۔ (عامہ تفاسیر)

اب رہا یہ سوال کہ وہ برہان رب کیا چیز تھی جس نے ایسے آڑے وقت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دستگیری کی۔ اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زبان سے سنئے۔ انھوں نے فرمایا:۔

مثل له یعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله۔	حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوئی جس نے آپ کے سینے پر ایک ضرب لگائی۔ تو ان کی شہوت انکی انگلیوں کے پوروں سے نکل گئی۔
اساوی)	

حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت کا حضرت یوسف علیہ السلام کے روبرو موجود ہو کر ان کی دستگیری کرنا ہی رابطہ یا تصور شیخ ہے۔ آیت اور تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نسبت رابطہ کا ثبوت اور اس کا نافع ہونا دونوں باتیں روز روشن کی طرح ثابت ہو گئیں۔

اور انبیاء سابقین علیہم السلام کی شریعتوں اور سنتوں کے بارے میں قرآن مجید کا ارشاد ہے کہ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ ۔ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اگلے انبیاء کی سیرتوں کی پیروی کیجئے۔ اسی لئے اسلام کا یہ اصول ہے کہ اگلے انبیاء کی ہر وہ سنت جو شریعت محمدیہ میں منسوخ نہ ہو وہ شریعت محمدیہ کی طرح امت کے لئے قابل عمل ہے۔ اب اس قاعدے کی روشنی میں تصور شیخ جس کا سنت یوسف علیہ السلام ہونا اس آیت سے معلوم ہوا۔ جبکہ اس کے منسوخ ہونے پر کسی آیت یا حدیث کی شہادت موجود نہیں ہے۔ تو یہ تمام سنن نبویہ کے مثل یقیناً امت کے کے لئے قابل عمل ہوگا۔ خصوصاً جبکہ احادیث و آثار صحابہ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہو۔ پھر تو اس کا قابل عمل ہونا نور علیٰ نور ہے۔

تصور شیخ حدیث سے

عن الحسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال سئلت خالی ھند بن ابی ھالۃ وکان وصافا عن حلیۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وانا اشتھی ان یصف لی منھا شیئا اتعلق بہ۔

(مخزن المعارف)

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابو ہالہ سے سوال کیا۔ اور وہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کرتے تھے اور میں مشتاق تھا کہ وہ میرے لئے اس میں سے کچھ بیان کریں تاکہ میں اس کو اپنے خیال میں محفوظ کرلوں۔

مُلّا علی قاری نے جمع الوسائل فی شرح الشمائل میں حدیث مذکور کے تحت فرمایا۔

ای اتثبت بذلک الوصف واجعلہ محفوظا فی خزانۃ خیالی وانما قال الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذالک لان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم توفی وھو فی سن لا یقتضی

یعنی میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کرکے اپنے خزانۂ خیال میں محفوظ کرلوں۔ اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ اس لئے فرمایا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات کے وقت وہ اتنی (چھوٹی) عمر کے تھے کہ اشیاء میں

التامل فی الاشیاء وتحفظ الاشکال والاعضاء۔ غور کرنے اور شکلوں اور اعضاء کو یاد رکھنے کے قابل نہیں تھے۔

(مخزن المعارف)

حدیث مذکور وتصریح ملا علی قاری سے اظہر من الشمس ہوگیا کہ تصور شیخ یعنی حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی صورتِ مبارکہ کو خزانۂ خیال میں محفوظ رکھنا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا جو اس وقت سے آج تک حضرات صوفیہ کرام کا معمول ہے۔

اس حدیث کے بارے میں شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کا بیان سنئے وہ راوی ہیں کہ

"ایک دن میں مولانا شاہ عبدالغنی نقشبندی قدس سرہٗ کے درس حدیث میں مسجد نبوی کے اندر حاضر تھا۔ جس وقت قاری نے یہ حدیث پڑھی۔ تو حضرت مولانا موصوف نے فرمایا کہ یہ حدیث تصور شیخ کی دلیل ہے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق۔ یہی تصور ہے۔ (مخزن المعارف)

اس کے علاوہ اور بھی بکثرت حدیثیں اس مضمون کی ہیں کہ صحابۂ کرام نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی صورت مقدسہ کا خیال جماتے تھے چنانچہ سیکڑوں حدیثوں میں موجود ہے کہ صحابہ روایت حدیث کے وقت یہ فرمایا کرتے تھے کہ کانی انظر الی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں رسول اللہ کو۔ یہ سب تصور شیخ نہیں تو اور کیا ہے؟

مگر افسوس صد افسوس اُن کج فہم ملاؤں پر جو بلا دلیل صوفیہ کرام پر کفر و شرک اور بدعت کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ حالانکہ روزانہ طوطے کی طرح وہ ان حدیثوں کی تلاوت بھی کرتے رہتے ہیں۔ مگر پھر بھی انھیں کچھ نظر نہیں آتا بالکل سچ فرمایا قرآن حکیم نے کہ لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ؕ یعنی ان (منکروں) کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں لیکن ان کے سینوں میں دل اندھے ہو گئے ہیں!

تصور شیخ فقہا کے نزدیک

علامہ شہاب الدین خفاجی علیہ الرحمہ نے نسیم الریاض میں فرمایا:-

یفرض ذلک ویتمثله فکانه عنده

(روضۂ منورہ کی حاضری کے وقت) یہ فرض و ملاحظ کرے کہ میں حضوری میں ہوں۔ اور صورت مقدسہ کا ایسا تصور جمائے کہ گویا حضور علیہ الصلاۃ والسلام اس کے پاس جلوہ فرما ہیں۔

علمگیری میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ تحریر ہے کہ

یقف کما یقف فی الصلوٰۃ ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه

(روضۂ مبارکہ کے سامنے) اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی پر نور صورت کریمہ کا تصور باندھے کہ گویا آپ قبر میں آرام فرما ہیں۔ اور اس کو جانتے اور اسکا

کلام سنتے ہیں۔

اسی طرح علامہ احمد بن محمد مواہب لدنیہ میں اور علامہ زرقانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

ویمثل الزائر وجهه الکریم علیه الصلوٰة والسلام فی ذهنه ویحضر قلبه جلال رتبته و علو منزلته وعظیم حرمته۔

زیارت کرنے والا حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرۂ مکرم کا تصور کرے۔ اور دل میں آپ کے مرتبہ کی بزرگی اور قدر کی بلندی اور احترام عظیم کا خیال جمائے۔

یہ وہ چند دلائل و شواہد ہیں جن سے تصور شیخ کا ثبوت آفتاب عالمتاب کی طرح جگمگا رہا ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

تبرکاتِ مشائخ

بزرگان دین و سلف صالحین کے آثار مقدسہ کو بطور تبرک رکھنا اور ان سے برکت حاصل کرنا بھی معمولات مشایخ میں داخل ہے اور اس کی اصل نہ صرف اس امت بلکہ انبیائے سابقین و امم سابقہ میں بھی موجود ہے۔ جس کے لئے قرآن عظیم شاہد عدل ہے۔ رب

تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:۔

فِیْهِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِیْمَ ۔ — اس (حرم کعبہ) میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم۔ (علیہ السلام)

مقام ابراہیم کے متعلق جس کو آیت مذکورہ میں۔ آیات بینات فرمایا گیا علامہ فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے۔

مقام ابراهیم وهو الحجر الذی	مقام ابراہیم وہ پتھر ہے کہ جس پر حضرت
وضع ابراهیم قدمه علیه	ابراہیم علیہ السلام نے (تعمیر کعبہ کے وقت)
فجعل الله ما تحت قدم ابراهیم	اپنا قدم رکھا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس
علیه السلام من ذلك الحجر	حصے کو جو ان کے قدم کے نیچے تھا۔ مٹی کی
دون سائر اجزائه کالطین	طرح نرم کر دیا۔ یہاں تک کہ اس میں
حتی غاص فیه قدم ابراهیم	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قدم گڑھ
علیه الصلاة والسلام ۔	گیا۔

(تفسیر کبیر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم کا نشان جس پتھر پر ہے اسکو باری تعالیٰ نے آیات بینات فرمایا۔ اور تمام انبیاء اور امتوں کیلئے واجب التعظیم ٹھیرایا چنانچہ تاریخ ام القریٰ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں لوگ اس کا احترام کرتے رہے یہاں تک کہ نزول قرآن کے بعد تو اس کی تعظیم میں چار چاند لگ گیا۔ اور اس کی اہمیت و عظمت اتنی بڑھ گئی کہ قرآن مجید نے فرمایا:۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى ط — تم سب لوگ مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لو۔

یہ پتھر بعد طواف کعبہ ہر مومن کے لئے نماز دوگانہ کے واسطے مصلیٰ بنا دیا گیا۔ حکم خداوندی ہے کہ نماز تو اللہ کے لئے ہے اور سجدہ اللہ کیلئے کر دمگر اپنی پیشانی اس پتھر کے پاس رکھکر خدا کا سجدہ کرو جس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہو یہ آثار انبیاء علیہم السلام کیساتھ اخذ برکت نہیں تو اور کیا ہے؟

اسی طرح قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے ایک واقعہ میں ارشاد ہوا:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

بنی اسرائیل کے نبی (شمویل علیہ السلام) نے ان سے کہا کہ اُس (طالوت) کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے وہ صندوق آئے گا جس میں سکون قلب ہے۔ اور حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات ہیں۔ فرشتے اس کو اٹھا کر لائیں گے یقیناً اس میں تمہارے لئے عظیم الشان نشانی ہے بشرطیکہ تم ایمان والے ہو۔

تابوت (صندوق) بنی اسرائیل جو ملائکہ کے مقدس شانوں پر نازل ہو کر سلطنت طالوت کی نشانی بنا۔ اور بنی اسرائیل نیز تمام مومنین کے لئے عظیم الشان آیت الٰہی ٹھیرا۔ اس کے انوار و برکات کے

بارے میں علامہ فخر الدین رازی کا بیان ہے کہ

بنی اسرائیل اس صندوق کے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے اور فتح و نصرت کے لئے۔ جنگ میں اس کو آگے کر دیتے تھے۔ (تفسیر کبیر)

اس صندوق میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے کون کون سے تبرکات تھے؟ اس کے متعلق تمام مفسرین کا متفقہ بیان ہے کہ

وھی نعلا موسیٰ وعصاہ و عمامۃ ھارون وقفیز من المن الذی کان ینزل علیھم ورضاض من الالواح۔

وہ (تبرکات) موسیٰ علیہ السلام کی نعلین اور آپ کا عصا اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور تھوڑا سا من وسلویٰ جو بنی اسرائیل پر اترا تھا۔ اور چند ٹکڑے تورات کی تختیوں کے تھے۔

تبرکات مشایخ کی تعظیم پر پھبتیاں کسنے والے ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ تعظیم تبرکات نہ صرف بنی اسرائیل و انبیائے بنی اسرائیل کی سنت ہے بلکہ یہ سنت الٰہیہ بھی ہے کہ تبرکات تابوت کے نقل و حمل کے لئے باری تعالیٰ نے ساکنانِ عالمِ قدس یعنی ملائکہ مقربین کے مقدس شانوں کو انتخاب فرمایا۔

تعظیم تبرکات خیر القرون میں

حدیث (۱) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (منیٰ میں) حجام کو بلا کر داہنی جانب کے بال مونڈنے کا حکم دیا

اور ابو طلحہ انصاری کو بلا کر موئے مبارک انھیں بطور تبرک عطا فرمایا۔ پھر بائیں جانب کے بال مونڈنے کا حکم فرمایا اور ابو طلحہ کو بال عطا فرماکر حکم فرمایا کہ اس کو لوگوں میں تقسیم کردو۔ (بخاری و مسلم)

حدیث (۲) حضرت طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ہم لوگ بصورت وفد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر ہم لوگوں نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے بعیت کی۔ اور حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ نماز پڑھی اور پھر یہ عرض کیا کہ ہماری زمین میں ایک گرجا گھر ہے۔ پھر ہم نے حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی بطور تبرک مانگا تو آپ نے پانی منگایا۔ اور وضو فرمایا اور اس پانی میں کلی بھی فرمائی۔ پھر ایک مشکیزہ میں ڈال کر ہمیں لے جانے کا حکم فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنی زمین میں جاؤ تو گرجا گھر کو توڑ دو۔ اور اس پانی کو اس جگہ (تبرکاً) چھڑک دو۔ اور اسی جگہ مسجد بنالو۔ تو ہم نے کہا کہ ہمارا شہر بہت دور ہے اور گرمی بہت سخت ہے۔ یہ پانی تو خشک ہو جائے گا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس میں پانی ملاکر بڑھا لینا۔ یہ جتنا بھی بڑھتا جائے گا سب طیّب و پاکیزہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیث سے خاص بعد بعیت تبرکات دینا۔ اور تبرکات کو دور دراز کے شہروں میں غائبین کے لئے لے جانا سبھی وہ چیزیں ثابت ہو گئیں جو خیر القرون سے آج تک مشائخ صوفیہ میں رائج ہیں۔

حدیث (۳) حضرت اسماء بنت ابوبکر سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک اونی جبہ کسروانی ساخت کا نکالا۔ جس کی پلیٹ ریشمیں تھی۔ اور اس کے دونوں چاک پر بھی ریشم کی گونٹ تھی۔ پھر کہا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا۔ جب اُن کی وفات ہو گئی۔ تو میں نے اسے اپنے قبضے میں کر لیا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس کو پہنتے تھے۔ لہذا ہم اس کو دھو دھو کر مریضوں کو پلاتے ہیں۔ اور اس کے وسیلے سے شفا طلب کرتے ہیں۔

(مسلم شریف)

شفائے قاضی عیاض میں حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ تحریر ہے کہ

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی میں کچھ موئے مبارک سلے ہوئے تھے۔ کسی لڑائی میں وہ ٹوپی گر گئی۔ تو آپ نے اتنا شدید حملہ کیا کہ صحابۂ کرام نے اس کو پسند نہیں کیا۔ کیونکہ اس حملے میں بہت سے مسلمان شہید ہو گئے تھے۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس موئے مبارک کے لئے یہ حملہ تھا۔ جو ٹوپی میں تھے کہ کہیں اس کی برکت مجھ سے چھین نہ لی جائے۔ اور مشرکین کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ (شفا شریف)

اس کے بعد ہی صاحب شفا تعظیم آثار نبویہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل فرماتے

ہیں کہ :-

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر نبوی کی
جلوس گاہ پر ہاتھ رکھ کر اس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیرلیا۔ (شفا شریف)

ان کے علاوہ بکثرت احادیث صحیحہ اس مضمون کی مروی ہیں کہ
صحابہ کرام حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے لعاب دہن اور وضو کے پانی
کو بطور تبرک چہرے اور آنکھوں پر ملتے تھے۔ اور اپنے پانی کے برتن
لوگ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے پاس لاتے تھے۔ تو حضور علیہ
الصلاۃ والسلام تبرکاً اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے تھے۔
الحاصل آثار و تبرکات بزرگان سے برکت حاصل کرنا۔ اور انکی
تعظیم کرنا انبیائے سابقین سے تا عہد خاتم النبیین اور پھر دور صحابہ
سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے جس کا انکار درحقیقت آفتاب
عالمتاب کا انکار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

معمول ہے کہ مشائخ کرام اپنے مریدین و خلفاء کو بوقت بیعت و خلافت
عموماً اپنا عمامہ، یا کلاہ، یا جبہ وغیرہ عنایت فرماتے ہیں۔ اسی کو عرف عام
میں خرقہ کہتے ہیں اگرچہ اصطلاح تصوف میں خرقہ کے اصل معنی پیر و مرشد

کے درمیان ایک ارتباط خاص ہو جانے کے ہیں چنانچہ عوارف المعارف شریف میں ہے کہ

"خرقہ پہننا درحقیقت پیر و مرید کے درمیان ایک تعلق خاص ہوجانا اور پیر کو اپنے نفس پر حاکم بنا لینا ہے۔"

عمامہ، جبہ وغیرہ درحقیقت اصطلاحی خرقہ کی ایک ظاہری علامت ہے لیکن عام طور پر عرف میں خرقہ سے مراد وہی کپڑا ہوتا ہے۔ جو شیخ کی طرف سے مرید کو مرحمت ہوتا ہے۔

بہرکیف مشایخ کی خرقہ پوشی کی اصل شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے ثابت ہے اور دوسرے تمام معمولات صوفیہ کی طرح اس معمول کی اصل بھی خیر القرون میں موجود تھی۔ اگرچہ اس کے بعض جزئیات ولوازم مروجہ ثابت نہیں لیکن وہ بھی اہل اللہ کے تعامل واستحسان کی وجہ سے ازروئے شریعت فعل حسن ہی قرار پائیں گے۔ اس بارے میں چند حدیثیں قابل ذکر ہیں۔

حدیث (۱) حضرت ام خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس کچھ کپڑے لائے گئے جن میں ایک چھوٹی سی کالی کملی بھی تھی تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ میں کس کو پہناؤں؟ قوم خاموش رہی۔ پھر خود ہی فرمایا کہ میرے پاس ام خالد کو لاؤ چنانچہ ام خالد کہتی ہیں کہ لوگ مجھے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں لائے تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے وہ کملی مجھے اپنے دست مبارک سے پہنا کر دو مرتبہ یہ

فرمایا کر تو اس کو پرانی کر اور پھاڑ۔ (یعنی تیری عمر دراز ہو کہ تو اس کو پہن کر پرانی کرے۔ (عوارف وغیرہ)
اس حدیث کو نقل کر کے شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

ولاخفاء ان لبس الخرقة على الهيئة التى يعتمدها الشيوخ لم يكن فى زمن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهذه الهيئة والاجتماع لها والاعتداد بها من استحسان المشايخ واصله من الحديث ما رويناه۔

(عوارف المعارف)

پوشیدہ نہ رہے کہ خرقہ پوشی جس شکل میں کہ مشایخ اس کا اعتبار کرتے ہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھی۔ اور یہ طریقہ اور اس کے لئے مجمع کرنا اور سامان تیار کرنا یہ سب ایسے کام ہیں جن کو مشایخ نے ایک اچھا کام شمار کیا ہے۔ اور اس کام کی اصل (دلیل شرعی) وہ حدیث ہے جو ہم نے اوپر روایت کی ہے۔ (یعنی حدیث ام خالد)

حدیث (۲) طبرانی کی روایت میں ہے۔ کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کسی کو والی (گورنر) بنا کر کہیں روانہ فرماتے تو اس کی دستار بندی فرماتے۔ اور شملہ دائیں جانب سے کان کی طرف چھوڑتے (درالمعارف)
حدیث (۳) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غدیر خم کے دن میری دستاربندی

فرمائی اور شملہ میرے پیچھے چھوڑا۔ (در المعارف)

اسی طرح صوفیہ کرام خرقہ کے ثبوت کے لئے اس حدیث کو بھی دلیل کے طور پر پیش فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا جبہ شریف بھیجا تھا۔ چنانچہ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ سے جب خرقہ پوشی کی رسم کا سوال کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

نمی بینی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خرقہ مبارک نزد خواجہ اویس قرنی فرستاد۔	کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواجہ اویس قرنی کے پاس خرقہ مبارک بھیجا۔

(لطائف اشرفی)

مذکورۂ بالا حدیثوں سے واضح ہوگیا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ام خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کالی کملی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے والیوں کو عمامہ، اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جبہ عنایت فرمایا اور جیسا کہ طبرانی کی روایت سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر والی کی اپنے دستِ مبارک سے دستار بندی فرماتے۔ اہل فہم پر روشن ہے کہ مشایخ کی مروجہ خرقہ پوشی اور عہد رسالت کے والیوں کی دستار بندی میں ذرا بھی فرق نہیں بلکہ سچ پوچھو تو مشایخ کی خرقہ پوشی درحقیقت حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی اسی مبارک سنت کو زندہ کرنا اور زندہ رکھنا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مصطلحات صوفیہ

جس طرح ہر علم وفن کی کچھ اصطلاحات ہوتی ہیں۔ کہ بغیر اُن پر مطلع ہوئے اُس علم وفن کے مسائل کا سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ اسی طرح ارباب تصوف کی بھی کچھ اپنی خاص خاص اصطلاحات ہیں۔ کہ مسائل تصوف و کلمات صوفیہ کے سمجھنے کیلئے اُن اصطلاحات کا جاننا انتہائی ضروری ہو۔ ناقدین تصوف بسا اوقات صوفیہ کرام کے کلام سے متعجب و حیران ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض مرتبہ کلمات مشایخ کو خلاف شریعت قول کہہ کر کفر کا فتویٰ بھی لگا دیتے ہیں۔ اس کا واحد سبب اصطلاح صوفیہ سے ناواقفیت ہے اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اس جگہ چند خاص خاص اصطلاحات صوفیہ کا بھی ذکر کو دیا جائے تاکہ مشایخ کے کلمات کو سمجھنے میں غلط فہمی نہ ہو!

رہی یہ بات کہ کسی مخصوص جماعت کا اپنے لئے خاص خاص اصطلاحات وضع کرنا تو یہ چیز شرعًا یا عقلاً کسی طرح بھی مذموم نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب نحو وصرف یا معانی و بدیع وغیرہ کی اصطلاحوں کے وضع کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں تو پھر صوفیہ کرام کی مخصوص اصطلاحات کیونکر محل اعتراض ہو سکتی ہیں؟ علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ لامشاحة فی الاصطلاح!

شطحیات

صحو (ہشیاری)، وسکر (مدہوشی) صوفیہ کرام کی یہ دو مشہور کیفیات ہیں۔ اکثر صوفیہ تو ایسے گزرے ہیں کہ معرفت الٰہی ووصال حقیقی کی دولت سے مالامال ہونے کے بعد ان کو منجانب اللہ ایسے

وسیع ظرف سرفراز کیا گیا کہ کیفیات و احوال سے مغلوب ہو کر دامن ہوش و خرد انکے ہاتھ سے نہیں چھوٹا اور ان کی بیداری و ہوشیاری میں ایک لمحہ کیلئے بھی فتور نہیں پیدا ہوا۔ یہ لوگ "ارباب صحو" کہلاتے ہیں۔ اور بعض وہ مشائخ ہیں جو بادۂ عرفانِ الٰہی سے اس درجہ مخمور و سرشار ہو جاتے ہیں کہ غلبۂ احوال و کیفیات میں دامنِ عقل و ہوش تار تار کر دیتے ہیں اور دنیائے بیداری و ہشیاری سے بیزار ہو کر مستی و مدہوشی کے عالم میں رہتے ہیں۔ ان بزرگوں کو "ارباب سُکر" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، انہی موخر الذکر بزرگوں سے کبھی کبھی عالم سُکر و مستی میں بلا اختیار بعض ایسے کلمات سرزد ہو جاتے ہیں۔ جو بظاہر خلاف شریعت ہوتے ہیں۔ ایسے ہی کلمات و مقالات کو اصطلاح صوفیہ میں "شطحیات" کہتے ہیں۔ وہ بزرگ جن سے شطحیات سرزد ہوئیں بہت قلیل تعداد میں ہوئے ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ شطحیات سرزد ہونے کے بعد جب اُنکے ہوش و حواس بجا ہوئے ہیں تو انھوں نے نہ صرف ان اقوال سے لاعلمی کا اظہار کیا ہے بلکہ اظہار بیزاری و استغفار بھی کیا چنانچہ حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ

"اصحاب عرفان و صاحبان وجدان میں سے اکثر و بیشتر اہل صحو (ہشیاری) ہیں اور اس جماعت عالیہ میں سے کچھ لوگ صاحبان سکر (مدہوشی) بھی ہوئے ہیں۔ کہ کبھی کبھی غلبۂ حال و جرأت وصال میں ان سے کلام شطحیات نکل گئے ہیں۔ لیکن اس حال و کیفیت کے دفع ہوتے ہی یہ لوگ اسی وقت استغفار کرتے تھے اور اپنے اصحاب کو حکم دیتے تھے کہ جب بھی اگر دوبارہ کوئی شطح آمیز کلام ہم سے سرزد ہو

تو اسکے تدارک میں تملوگ کوشش کرد۔ (لطائف اشرفی)

"شطحیات" کے بارے میں بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حزم واحتیاط لازم ہے۔ رد وانکار اور ان بزرگوں پر فتوی لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے بلکہ حتی الامکان تاویل ضروری ہے۔ کیونکہ یہ سب بزرگان دین واہل اللہ اور صاحبان معرفت تھے۔ بلاشبہ ان میں کا ہر ہر فرد نمونۂ سنت وجلوۂ آفتاب شریعت تھا۔ ان اکابر ملت بزرگوں پر زبان طعن دراز کرنا یقیناً بہت بڑی گستاخی اور زبردست محرومی ہے۔ اسکے متعلق حضرت مخدوم جہانگیر اشرف قدس سرہٗ کا ارشاد سُنئے:

"جماعت صوفیہ کا قانون مسلم اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ مشایخ کے شطحیات کو نہ تو رد کرنا چاہئے نہ قبول کرنا چاہئے کیونکہ اس مشرب کا تعلق مقام وصول کیساتھ ہے۔ یہ ان مقاصد میں سے نہیں ہیں جہاں عقل کچھ کام آسکے۔ ہاں البتہ کچھ صوفیوں نے الفاظ شطحیات کی شرح میں اچھی اچھی تاویلیں کی ہیں۔ اور ایسے مناسب مطلب ومحمل بیان کئے ہیں کہ ایک حد تک انکو عقل کے ادراک وعلم کے قابل کیا جا سکتا ہے۔" (لطائف اشرفی)

ظاہر ہے کہ جو شخص اس درجہ مغلوب الحال ہو چکا ہو کہ اُسکو دنیائے عقل وہوش سے کوئی سروکار ہی نہ ہو اور عین مدہوشی کے عالم میں بلا اختیار وارادہ اس سے کچھ کلمات صادر ہو گئے ہوں۔ اور وہ بھی اس طرح کہ ہوش وحواس بجا ہونے کے بعد وہ ان کلمات سے نہ صرف لاعلمی بلکہ بیزاری کا اظہار واستغفار کرتا ہو۔ بلا شبہ ایسا شخص مرفوع القلم اور حدود شریعت سے آزاد ہے۔ ایسے شخص سے کوئی شرعی مواخذہ کرنا درحقیقت شریعت سے لاعلمی ہے۔ ہ

سجدۂ روضہ ہو کہ در کا طواف
ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے

کنایاتِ مشائخ

بعض کیفیاتِ تصوف، اور معارفِ صوفیہ اس قدر لطیف و دقیق ہیں کہ عام الفاظ و محاورات اُنکے بیان کے متحمل نہیں۔ نیز کچھ ایسے رموز و اسرارِ طریقت ہیں جن کو عوام سے مخفی رکھنا اربابِ تصوف کیلئے انتہائی ضروری ہوتا ہے ان وجوہات سے بسا اوقات صوفیہ کرام عام الفاظ محاورات کو چھوڑ کر اپنے مخصوص کنایات و محاورات میں معارف تصوف و رموزِ طریقت کا بیان فرماتے ہیں۔ جن سے ناواقفیت کی بنا پر عام لوگوں کو سخت خلجان و حیرانی بلکہ غلط فہمی و پریشانی ہوتی ہے۔ لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس جگہ حروفِ تہجی کی ترتیب سے چند ایسے کنایات کا ذکر کرتے ہیں جن کو حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی قدس سرہٗ نے حضرت کبیر الدین بن فخر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت کیا ہے۔ اور جو کثرت سے بزرگان دین کے اشعار و مقولات میں مستعمل ہیں۔ بزرگان دین کے اشعار و مقولات پر تنقید و تبصرہ کرنے والوں سے گزارش ہے کہ ازراہِ کرم ان کنایات کی روشنی میں صوفیہ کرام کے اشعار و کلمات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

(الف)

کلیسا۔ عالمِ حیوانی۔ ترسا۔ ان معانی و حقائق کو کہتے ہیں جو بہت زیادہ لطیف و دقیق ہوں۔ لقا۔ معشوق کی پوری پوری شناخت یقینی طور پر حاصل ہو جائے وفا۔ خداوند تعالیٰ کی عنایت ازلی جو بغیر کسی عمل خیر کے محض اُسکے فضل سے بندوں کو رحمت ہوتی ہے۔ جفا۔ سالک کے دل کو معارف و مشاہدات کی تجلیوں سے محروم کر دینا۔ چشم شہلا۔ سالک کے احوال و کمالات نیز علو مرتبہ کو ظاہر کرنا کہ جس سے سالک کی شہرت پیدا ہو جائے۔ شب یلدا۔ ذات بحت کا نور جو نہایت الالوان ہے اور جسکی تجلی بے رنگ سیاہ ہے۔

(ب)

محب ۔ سالک صاحب محبت ۔ محبوب ۔ باری تعالیٰ کو اس حیثیت سے کہتے ہیں کہ وہ تمام جہان کی محبت سے بے نیاز ہے طلب حق تعالیٰ کی جستجو کو کہتے ہیں ۔ خواہ یہ طلب از راہ محبت ہو یا از راہِ غرض اس کا مرتبہ عبدیت کے مرتبہ سے پہلے ہے اور اس سے کمتر بھی ۔ فریب ۔ استدراج خداوندی ۔ حجاب وہ مانع اور پردہ جو خود عاشق کی کسی لغزش کی وجہ سے پیدا ہوا اور محبوب کے دیدار سے روک دے ۔ نقاب وہ رکاوٹ جو محبوب کی جانب سے پیدا ہوئی ہے ۔ اور عاشق باوجود اپنی جد وجہد کے اس رکاوٹ کے باعث دیدار سے محروم رہتا ہے ۔ طرب خداوند تعالیٰ کے اُنس سے سالک کے دل میں جو ایک خاص سرور پیدا ہوتا ہے شراب سالک منتہی کے دل میں باوجود قابل ملامت اعمال کے غلبات عشق کا جوش مارنا کباب تجلیات خداوندی میں دل سالک کی پرورش مست خراب سالک کا اپنی کیفیات میں مستغرق رہنا ۔ شب عالم غیب جو عالم جبروت سے پہلے ہے ۔ یہ عالم درحقیقت عالم وجود و عالم عدم کے درمیان ایک حد فاصل ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ عالم خلق عالم امر کے درمیان حد فاصل ہے ۔ اور بعض کا قول ہے کہ عالم ربوبیت و عالم عبودیت کے درمیان خط فاصل ہے ۔ مطرب آگاہ کرنے والا ۔ لب کلام غبغب علوم ومعارف الٰہیہ کی لذت خواب ننائے اختیاری ۔

(ت)

ملاحت حق تعالیٰ کے وہ مظاہر کمالات جہاں تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ ظرافت انوارالٰہی کا کسی مادی شئی میں تجلی فرمانا غارت جذبۂ الٰہی قامت وہ ذات پاک جو لائق پرستش ہے چشم مست سالک کی تقصیرات ولغزشوں کی خدا کی طرف سے ایسی پردہ پوشی کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو عشرت شعور و آگاہی کی لذت خاص بت مقصود و مطلوب سالک عبادت سالک کی جد وجہد دست خداوند تعالیٰ کی صفت قدرت انگشت خدا کی صفت احاطت سبلت عالم پر صفت ربوبیت کی تجلی محنت وہ رنج والم جو محب کو محبوب کی طرف سے پہنچے۔

(ج)

تاراج سالک کے تمام احوال ظاہری وباطنی کو سلب کرلینا۔ حج سلوک الی اللہ۔

(ح)

قدح سالک کا وقت خاص صلح سالک کے اعمال وعبادات کا مقبول ہونا۔ صبح وہ احوال جو سالک کی تمنا کے خلاف دل پر وارد ہوں

(خ)

رخ تجلیات خاص زبان تلخ وہ باتیں جو سالک کی طبیعت کے ناموافق ہوں زنخ محل لذات سیب زنخ لذت مشاہدہ کا ادراک

چاہ زنخ اسرار مشاہدہ کی مشکلات۔

(د)

ساعد باری تعالیٰ کی صفت قدرت قد استوار الٰہی خد فراق محبوب کے بعد وہ حالات کہ جس سے آتش شوق اور زیادہ بھڑکے فریاد ذکر جہری درد محبت الٰہی وہ حالت جو محبت کی برداشت سے باہر ہو شاہد تجلی الٰہی عید مقام جمعیت خاطر۔

(ر)

مکر سالک پر ایسی کیفیات طاری کرنا کہ وہ عجب و غرور میں مبتلا ہو جائے جور سالک کو عروج سے روک دینا غمگسار۔ خداوند تعالیٰ کی صفت رحمانی غمخوار خدا کی صفت رحیمی دلدار سرور محبت میں خدا کی صفت باسطی کفر تاریکی عالم و تفرقہ کافر صاحب اعمال۔ بہار مقام علم و معرفت نالہ زار محب کی جستجو کنار رموز و اسرار الٰہیہ کا دریافت کرنا زنار محبوب کا اپنے محب کو طاقت بخشنا۔ زر سالک کی ریاضت و مجاہدہ۔

(س)

ناقوس محبوب کو یاد کرنا۔ اور مقام تفرقہ کا ذکر کرنا۔ نرگس نتیجہ معرفت جو سالک کے دل میں پیدا ہو۔ چشم نرگس سالک کے کمالات و علوم مرتبہ کو اس کے اوپر مخفی کر دینا کہ دوسرے لوگ تو اس کی ولایت کو جان لیں مگر وہ اپنے حال سے غافل ہو۔

(ش)

عیش دوام حضور اوباش غلبۂ محبت میں ثواب طاعت و عذاب معصیت سے بے نیاز ہو جانے والا۔ دوشش حق تعالیٰ کی صفت کبریائی۔

(ق)

معشوق حق تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس کی طلب میں پوری جدوجہد کی جائے عاشق طالب حق فراق غیب فرق صفت حیات

(ل)

جمال محبوب کا اپنے کمالات کو اس لئے ظاہر کرنا کہ محب کی رغبت و طلب میں اضافہ ہو جائے۔ جلال محبوب کا اپنی بزرگی کو استغنا کے طور پر ظاہر کرنا شکل وجود باری تعالیٰ گل نتیجہ و عمل۔

(م)

بام محل تجلیات جام احوال سالک دام تقدیر الٰہی سیم تصفیہ ظاہری و باطنی خشم صفات قہریہ کا ظہور۔

(ن)

آستاں اعمال و عبادات کی جگہ جاناں حق تعالیٰ کی صفت قیومیت بیاباں طریق معرفت میں پیش آنے والے واقعات درون عالم ملکوت تابستاں مقام معرفت بیروں عالم ملک زمستاں مقام کشف ریحاں وہ نور جو انتہائی ریاضت و مجاہدہ کے بعد عارف میں جلوہ گر ہو۔ چہرہ گلگوں وہ تجلیات جو غیر مادہ میں ظاہر

ہوں۔ اور سالک اُن کو خواب یا بیداری، یا عالم بیخودی میں مشاہدہ کرلے
لب شکریں کلام الٰہی جو انبیاء علیہم السلام پر بذریعہ وحی منزل ہوتا ہے۔
اور اولیاء بطریق الہام اس سے نوازے جاتے ہیں۔ دہن خداوند
تعالیٰ کی صفت تکلم زبان اسرار الٰہی پیر مغاں مرشد کامل میدان مقام
شہود۔

(ل)

کرشمہ التفات محبوب دیدہ اطلاع باری تعالیٰ سبزہ عین معرفت
شراب خانہ عالم ملکوت میخانہ عالم لاہوت میکدہ مقام مناجات خمخانہ
عالم قلب کے غلبات بادہ کیفیت عشق جب کمی کے ساتھ ہو جرعہ
وہ اسرار و مقامات جو راہ سلوک میں سالک سے پوشیدہ ہوں
کعبہ مقام وصول لالہ نتیجہ معارف جو سالک مشاہدہ کرے شگوفہ
بلندی مرتبہ بنفشہ نکتۂ لطیف جس کے علم وادراک کی طاقت وقوت
نہ ہو ترانہ آئین محبت چہرہ وہ تجلیات جو اس قابل ہوں کہ سالک
ان پر اطلاع پاسکے خال سیاہ عالم غیب خط سیاہ غیب الغیوب
بوسہ کیفیت کلام کی قبولیت کی استعداد غمکدہ مقام مستوری۔

(ی)

مستوری تقدیس الٰہی تیزی سالک کے اعمال کو رد کر دینا
تندی خدا کی صفت قہاری کوئے مقام عبادت دل کشائی خدا کی
صفت فتاحی پیشانی ظہور اسرار الٰہی ساقی قلب میں اسرار الٰہی کا

فیضان کرنے والا زردی صفت سلوک سرخی قوت سلوک سبزی کمال مطلق سپیدی یکرنگی بیماری قلب سالک کا قلق و اضطراب تندرستی دل کا قرار مدہوشی استہلاک ظاہری و باطنی پاکبازی اخلاص عمل۔

کلمات مصطلحہ نقشبندیہ

طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کی مشہور اصطلاحات کہ جن پر اس طریقۂ عالیہ کی بنیاد ہے۔ حسب ذیل گیارہ کلمات ہیں۔

وقوف[۱] قلبی۔ وقوف[۲] زمانی۔ وقوف[۳] عددی۔

یہ تین کلمات حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہیں۔ ھوش[۴] دردم۔ نظر بر[۵] قدم۔ سفر[۶] در وطن۔ خلوت[۷] در انجمن۔ یاد[۸] کرد۔ یاد[۹] داشت۔ باز[۱۰] گشت۔ نگاہد[۱۱] اشت۔ یہ آٹھوں کلمات حضرات خواجہ عبدالخالق غجدوانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں۔ چنانچہ ان کلمات طیبات کی شرح نہایت بسط و تفصیل کے ساتھ معمولات مظہریہ وغیرہ میں مذکور ہیں۔ فقیر اس جگہ قرآن و حدیث کی روشنی میں جو اس کتاب کا خاص موضوع ہے نہایت اختصار کے ساتھ ان کلمات کا خلاصہ درج کرتا ہے۔

وقوف قلبی در المعارف میں ہے کہ وقوف قلبی کے معنی دل کا بیدار ہونا۔ اور حق سبحانہ کے ساتھ قلب کا اسطرح حاضر ہونا ہے کہ ایک دم کے لئے بھی غفلت نہ ہو۔ اور بجز حق تعالیٰ کی ذات کے کسی سے اس کو کوئی غرض نہ ہو۔ یہی وہ کیفیت ہے جس کو بعض حضرات صوفیہ شہود بعض حصول بعض وجود کے نام سے بھی یاد کرتے ہیں۔

(معمولات مظہریہ)

قرآن مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذکر ربك فی نفسك	اپنے رب کو یاد کرو اپنے دل میں،
تضرعا وخیفة ودون الجهر	گڑگڑا کر اور ڈرتے ہوئے۔ اور بغیر
من القول بالغدو	زور سے بولے ہوئے۔ صبح کو بھی اور
والاصال ولا تكن	شام کو بھی اور تم لوگ خدا سے غافل
من الغافلین۔	رہنے والوں میں سے مت ہو جاؤ۔

دوسری جگہ قرآن عظیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ	(اہل ایمان) وہ لوگ ہیں جو خدا کو یاد
قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی	کرتے ہیں کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے۔
جُنُوْبِهِمْ۔	اور اپنے پہلوؤں کے بل (یعنی ہر حال

میں یاد الٰہی کرتے ہیں اور کسی حال میں بھی غافل نہیں ہوتے)

اسی طرح ابوداؤد شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص کسی ایسی بیٹھک میں بیٹھا جس میں اس نے خدا کو یاد نہیں کیا۔ تو اس شخص پر خدا کی طرف سے ایک بڑی پھٹکار ہے۔ اور جو ایسی خواب گاہ میں لیٹا کہ اس میں ذکر الٰہی نہیں کیا تو اس پر ایک عظیم ترین افسوس ہے۔ (ابوداؤد)

مذکورہ بالا دونوں آیتوں اور حدیثوں کا مدلول و مفہوم یہی ہے کہ بیٹھتے اٹھتے سوتے جاگتے اکیلے اور مجلس میں غرض ہر حال میں دل کو خدا کی طرف متوجہ رکھنا چاہئے۔ اور ایک لمحہ کے لئے بھی یاد الٰہی سے غفلت نہیں ہونی چاہئے بالکل یہی وقوف قلبی کے بھی معنی ہیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور مقولہ ہے کہ

در طریقۂ ما سماع نیست و در طریقۂ ما جہر نیست و در طریقۂ ما وجد نیست و در طریقۂ ما تواجد نیست و در طریقۂ ما آہ و نعرہ نیست۔ طریقۂ ما حضور و یادداشت و بے خطرگی است حضور عبارت از نگرانی دل است بسوئے مفہوم اسم مبارک اللہ چنانچہ دو چشم در سر است۔ چشمے در دل پیدا شود۔ و حیران بہ نظارۂ جمال محبوب حقیقی ماند۔

ہمارے طریقے میں قوالی، ذکر جہری وجد۔ تواجد۔ آہ و نعرہ کچھ بھی نہیں ہے بلکہ ہمارا طریقہ حضور و یادداشت اور بے خطرگی ہے اور حضور سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے اسم مبارک کے معنی کی نگرانی دل میں کرتے رہیں چنانچہ جس طرح سر میں دو آنکھیں ہیں۔ یونہی قلب میں ایک آنکھ پیدا ہو جاتی ہے جو محبوب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے جمال کے نظارے میں حیران رہتی ہے۔

کسی اہل اللہ کا شعر ہے ؎

ماند مرغی باش ہاں بر بیضۂ دل پاسباں
کز بیضۂ دل زایدت مستی و شور و قہقہ

وقوف قلبی کی کیا خوب تفسیر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

وقوفِ زمانی یہ ہے کہ اپنے اوقات کا حساب لگائے اگر اعمالِ خیر میں وقت گزرا ہو تو شکر الٰہی بجا لائے۔ اور اگر ناشائستہ کاموں میں گزرا ہو تو استغفار کرے۔ (در المعارف)

حضرات نقشبندیہ جس کو وقوف زمانی کہتے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اسی کا نام "محاسبہ" ہے۔ جو ہر مومن پر واجب ہے حیات القلوب میں ہے کہ

تمام علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ بندے پر واجب ہے کہ تمام اعمال پر اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ تمام اعمال خواہ ان کا تعلق قلب سے ہو یا اعضائے ظاہری سے۔ سب میں نظر کرے۔ پس جس قدر اعمال موافق شریعت ہوں ان پر حمد و شکر الٰہی بجا لائے اور جو مخالف شرع ہوں۔ ان کا توبہ و استغفار سے تدارک کرے۔ یہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا۔

قرآن مجید میں رب تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ

یعنی اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور ضروری ہے ہر نفس کے لئے یہ بات کہ وہ اس

چیز پر نظر رکھے کہ اس نے کل (قیامت) کے لئے پہلے سے کیا کر رکھا ہے یعنی اپنے اعمال کا اپنے نفس سے محاسبہ کرتا رہے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا کہ الکیس من دان نفسه و عمل لما بعد الموت، یعنی ہوشیار و دانشمند وہ ہے جو اپنے نفس کا حساب لیتا رہے اور موت کے بعد کے لئے عمل کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا۔ یعنی تم اپنے نفسوں کا حساب لے لو۔ قبل اس کے کہ (قیامت) میں تمھارا حساب لیا جائے۔

حضرت میمون بن مہران رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقولہ ہے۔

لا یکون الرجل تقیا	یعنی مرد اس وقت تک متقی نہیں
حتی یکون لنفسه	ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنے نفس کا
اشد محاسبة من	اتنا زیادہ حساب لینے والا نہ ہو جائے
الشریك.	جتنا کہ ایک شریک دوسرے شریک سے۔

وقوف عددی[۳] یہ ہے کہ ذکر نفی و اثبات میں طاق عدد کی رعایت رکھے۔ (معمولات مظہریہ) چنانچہ مشائخ نے تصریح کی ہے کہ حبس دم کا ذکر کرتے وقت ہر سانس میں اکیس[۲۱] مرتبہ شرائط کی رعایت کے ساتھ ذکر کرنا مثمر فنا ہے جس کا اثر سالک ذاکر پر یوں مرتب ہوتا ہے کہ بوقت نفی یعنی لا الٰہ پر وجود بشریت معدوم ہو جاتا ہے اور بوقت اثبات یعنی الا اللہ پر جذبات الٰہی کے آثار متجلی

ہوتے ہیں۔

ذکروں میں طاق عدد کی رعایت درحقیقت اس حدیث پر عمل ہے کہ ان اللہ وتر یحب الوتر یعنی اللہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند فرماتا ہے چنانچہ اکثر و بیشتر اوراد نبویہ کی تعداد بھی طاق وارد ہوئی ہے۔ خود صحابۂ کرام کو بھی حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے وظائف و اوراد میں عدد طاق کی رعایت کا حکم فرمایا۔ اور اس بارے میں اس کثرت سے احادیث مروی ہیں کہ تواتر معنوی کو پہنچ گئی ہیں۔ وقوف عددی یعنی ذکر میں عدد طاق کی رعایت اسی سنت و ارشاد نبوی کی تعمیل ہے۔

ہوش در دم[۴] سے مراد یہ ہے کہ اپنی سانس سے ہمیشہ خبردار رہنا چاہیے تاکہ غفلت میں کوئی سانس نہ نکلے۔ حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ اس طریقہ (نقشبندیہ) میں سانس کی نگرانی کو بہت اہم قرار دیتے ہیں۔ اور حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ سانس کی آمد و رفت اور دونوں کے درمیان میں بھی محافظت رکھے۔ اور ہرگز ہرگز غفلت نہ طاری ہونے دے ؎

یک لحظہ دلا غافل ازاں ماہ نباشی
شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

غرض ہر دم اور ہر لحظہ یہ خیال رکھنا کہ کوئی سانس غفلت میں نہ گزرے یہ ہوش در دم ہے۔ اور اسی کا دوسرا نام محاسبۂ دم بھی ہے۔ اور قرآن

مجید کی آیت ولاتکن من الغافلین اس پر شاہد عدل ہے۔

نظر برقدم یہ ہے کہ چلنے پھرنے میں ہمیشہ اپنی نظر اپنے قدم پر رکھے اور بلا ضرورت ادھر ادھر نہ دیکھے تاکہ مختلف مناظر سے پراگندگی خاطر نہ ہو۔ اور نظر بے جا نہ پڑے۔ (معمولات مظہریہ)

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اپنی رفتار میں اپنی نظر قدم پر رکھتے۔ اور ایسے وقار کے ساتھ چلتے تھے کہ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا گویا آپ کسی ٹیلے سے نیچے اتر رہے ہیں۔ اسی طرح بعض روایتوں میں لایجاوز بصرہ قدمہ وغیرہ کے الفاظ بھی مروی ہیں کہ چلنے کے وقت نظر مبارک، قدم شریف سے تجاوز نہیں کرتی تھی۔ یہ سب نظر برقدم کا بیان ہے۔

سفر در وطن کا یہ مطلب ہے کہ مومن صفات بشریہ سے نکل کر صفات ملکیہ میں داخل ہو جائے (معمولات مظہریہ)

یعنی قلب کا تزکیہ اور دل کی تطہیر اس طرح کرنا کہ نفس کے تمام خصائل رذیلہ زائل ہو جائیں۔ اور خصائل حمیدہ حاصل ہو جائیں اور بندہ بارگاہ خداوندی میں اس قدر مقرب ہو جائے کہ اس میں ملکوتی صفات ظہور میں آنے لگیں چنانچہ ایک حدیث میں وارد ہوا کہ تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق و صفات کے موافق تم لوگ اپنے اخلاق و صفات کو بناؤ یہ حدیث سفر در وطن کا بیان ہے۔

دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بندہ کس طرح قرب الٰہی حاصل کرکے سفر در وطن کی منزل طے کرتا ہے۔

لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها (مشکوٰۃ)	میرا بندہ ہمیشہ بذریعہ نوافل میرا تقرب ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر جب میں اس کو محبوب بناتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اور میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ بندہ بذریعہ نوافل مقرب بارگاہ ہوتا رہتا ہے۔ اور رفتہ رفتہ اپنی صفات بشریہ کو چھوڑ کر صفات ملکوتیہ کی طرف سفر کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مظہر اخلاق آلہی ہو جاتا ہے۔ اور اس درجہ اخلاق الٰہی کے ساتھ متخلق اور صفات ربانیہ کی تجلی گاہ بن جاتا ہے کہ باری تعالیٰ اس کے اعضا و جوارح نیز اس کے اعمال و افعال کو اپنی طرف منسوب فرما لیتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ اور ید اللہ فوق ایدیھم۔ وغیرہ بہت سی آیات قرآنیہ اس پر

شاہد ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال و جوارح کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ یعنی محبوب کے فعل کو اپنا فعل اور محبوب کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا۔ یہ ہے تخلقوا باخلاق اللہ پر کامل عمل کی تجلی۔ اور یہ ہے سفر در وطن کی مکمل جلوہ گری کا ثمرہ۔ واللہ اعلم۔

خلوت در انجمن یہ ہے کہ مجلس میں جو کہ خیالات کے پراگندگی کی جگہ ہے۔ دل ہرگز ہرگز غفلت کی راہ نہ پائے۔ بظاہر مخلوق کے ساتھ ہو اور بہ باطن خدا کے ساتھ رہے (معمولات) چنانچہ بعض بزرگوں کا مقولہ ہے کہ "دست بہ کار و دل بہ یار" یعنی ہاتھ سے کام کرتا رہے اور دل خدا کی طرف لگا رہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ مجلس میں بیٹھا ہو، اگرچہ طرح طرح کے افعال و اعمال سے دوچار ہو مگر دل کی توجہ خدا کی طرف لگی رہے۔ اور جمعیت خاطر و توجہ الی اللہ کا ایسا ملکہ اور ایسی مہارت پیدا ہو جائے کہ گویا اس آیت پاک کا مصداق بن جائے۔

رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔

یعنی کچھ ایسے بھی مردان باخدا ہیں کہ تجارت اور خرید و فروخت بھی ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔

یادکرد، یادداشت سے مراد یہ ہے کہ ذکر زبانی یا ذکر قلبی سے غفلت کو دور کرنا اور جب تک یہ غفلت کا دور کرنا کوشش و تکلف کے ساتھ ہو اس کو یادکرد کہا جاتا ہے۔ اور

جب اس کی مہارت پیدا ہوجائے۔ اور بلا تکلف ہونے لگے تو اس
کو یاد داشت کہتے ہیں۔ (معمولات مظہریہ)

الحاصل مرشد نے جس ذکر کی تلقین و تعلیم فرمائی ہے۔ ہمیشہ بار بار
اس ذکر کی تکرار کرتا رہے۔ یہاں تک کہ غفلت دور ہوکر حضور آلہی
حاصل ہوجائے۔ جو سیر و سلوک کا مقصد اعلیٰ ہے!

نگاہ داشت کے معنی یہ ہیں کہ ذکر سے جو آگاہی کی کیفیت حاصل
ہوئی ہے اس کی نگرانی و محافظت کرنا اور ماسوی اللہ
سے غافل ہوکر ذاتِ آلہی کا خیال اور اسی کی جانب توجہ رکھنا۔

بازگشت یہ ہے کہ ہر مرتبہ ذاکر کلمہ طیبہ کو طریق معین کے ساتھ دل
سے کہے۔ اور اس کے بعد زبانِ دل ہی سے یہ بھی کہے
کہ اے خدا میرا مقصود تو اور تیری رضا ہے۔ (معمولات مظہریہ)

احکام مزارات

فاتحہ ایصال ثواب میں مشائخ کرام کا طریقہ جس کو عرف عام میں فاتحہ
بھی کہتے ہیں یہ ہے کہ کچھ کھانا یا شیرینی وغیرہ سامنے رکھ کر الحمد
شریف اور دوسری چند سورتیں اور آیتیں اور درود شریف پڑھ کر
ہاتھ اٹھا کر میت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور جناب باری میں عرض
کرتے ہیں کہ الٰہی اس تلاوت اور خیرات کا ثواب فلاں شخص کو پہنچے۔

طریق مذکورہ میں تین[3] چیزیں تحقیق طلب ہیں۔ ایصالِ ثواب[1] کھانا سامنے[2] رکھ کر تلاوت۔ ہاتھ اٹھا کر دعا۔ بحمدہ تعالیٰ یہ تینوں باتیں احادیث سے ثابت ہیں۔ اور تمام علماء و مشائخ اہلسنت کا معمول ہیں۔

ایصالِ ثواب یہ مسئلہ علماء و مشائخ اہلسنت کا متفق علیہ و اجماعی مسئلہ ہے۔ اور اہلسنت کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ زندوں کے اعمال مردوں کے لئے نفع بخش ہیں۔ چنانچہ شرح عقائد نسفیہ میں ہے۔

فی دعاء الاحیاء للاموات وصدقتھم عنھم نفع خلافا للمعتزلة۔

زندہ لوگ اگر مردوں کے لئے دعا کریں یا مردوں کی طرف سے صدقہ کریں تو اس سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور اس مسئلہ میں صرف (گمراہ فرقہ) معتزلہ کا اختلاف ہے۔

اسی طرح ہدایہ ص۲۶۳ باب الحج عن الغیر میں ہے،

ان الانسان له ان یجعل ثواب عمله لغیرہ صلاۃ کان اوصوما اوصدقة اوغیرھا عند اھل السنة والجماعة۔

ہر انسان کے لئے یقیناً یہ جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی غیر کو بخش دے نماز ہو یا روزہ۔ صدقہ ہو یا اس کے علاوہ یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔

اس بارے میں حدیثیں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف تین حدیثوں کے ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

(۱) حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں اچانک مر گئی۔ اب میرے کسی عمل سے اس کو نفع پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کیوں نہیں۔ تم کنواں کھداؤ اور اس کے پاس حاضر ہو کر یوں کہدو کہ اس کا ثواب سعد کی ماں کو پہنچے (صحیحین)

(۲) ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ میں اپنے والدین کے ساتھ ان کی زندگی میں احسان و سلوک کیا کرتا تھا۔ تو کیا اب ان کے مرنے کے بعد بھی میں کچھ کر سکتا ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ تم اپنی نماز کے ساتھ ان کی طرف سے کچھ نمازیں پڑھ لو اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے بھی کچھ روزے رکھ لو۔ (یعنی کچھ نمازوں اور روزوں کا ثواب انھیں بخش دو۔ (طبرانی)

(۳) ایک شخص نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ اگر میں اس کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا اس کو ثواب پہنچے گا۔ تو حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں۔ ثواب پہنچے گا۔ (بخاری شریف)

کھانا سامنے رکھکر تلاوت

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھجور، گھی، پنیر ملا کر مالیدہ بنایا اور سینی

میں رکھکر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بدست حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی خدمت میں بھیجا۔ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اُسے رکھنے کا حکم فرمایا اور حضرت انس کو لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا جب انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس لوٹے تو گھر آدمیوں سے بھر گیا تھا۔ جس میں تقریباً تین سو آدمی تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک اس مالیدہ پر رکھا اور جو کچھ خدا نے چاہا اس پر آپنے پڑھا۔ پھر دس دس آدمیوں کو بلانے لگے کہ اس میں سے کھائیں یہاں تک کہ سب آدمیوں نے کھا لیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے اس کو اٹھانے کا حکم دیا۔ تو مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ جب میں نے اس کو رکھا تھا اس وقت وہ زیادہ تھا یا جب اٹھایا (یعنی بالکل کم نہیں ہوا تھا)۔ (مشکوٰۃ شریف)

حدیث مذکور ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھانا سامنے رکھ کر کچھ پڑھنا یا تلاوت کرنا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

ہاتھ اُٹھا کر فاتحہ ایصال ثواب میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ یہ کوئی اختلاف کی چیز نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی ضرور یات فاتحہ میں داخل ہے۔ کون نہیں جانتا کہ فاتحہ ایک دعا ہے اور نماز کے باہر

ہر دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں ہاتھ جب دعا میں
اٹھاتے تھے تو اس وقت تک ہاتھ نیچے نہ کرتے تھے جب تک کہ
دونوں ہاتھوں کو چہرے پر نہ پھیر لیں۔ (ترمذی)

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ دعا کے وقت ہاتھ اٹھانا اور دعا ختم کر کے چہرے پر ہاتھ پھیر لینا سنت ہے۔ فاتحہ بھی ایک دعا ہے لہٰذا اس میں بھی ہاتھ اٹھانا مسنون ثابت ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

عرس کے معنی لغت میں شادی کے ہیں۔ اور اصطلاح مشایخ میں اولیاء و علماء و بزرگان دین کے یوم وفات کو عرس کہتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ مومنین صالحین جب اپنی قبروں میں منکر و نکیر کے سوال و جواب سے فارغ ہو جاتے ہیں تو فرشتے ان کی قبروں میں انھیں بہشتی لباس پہنا کر جنتی بستر پر لٹا کر اور جنت کا دریچہ کھول کر یوں کہتے ہیں کہ نم کنومة العروس یعنی سو جاؤ۔ جیسے دلھن سوتی ہے تو چونکہ اللہ والوں کا یوم وصال ان کے لئے دلھن بننے کا دن ہوتا ہے اس لئے مشایخ اس دن کو یوم العرس یعنی شادی کا دن کہتے ہیں مشایخ کرام کا معمول ہے کہ خاص اس دن اولیاء اللہ کی قبروں پر بصورت اجتماع حاضر ہوتے ہیں۔ جہاں تلاوت قرآن مجید یا وظائف و اذکار پڑھ کر اور صدقات و خیرات کر کے ان کی ارواح کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ اور بصورت مراقبہ ان کی قبروں سے فیض کی تحصیل اور

ان کے لئے دعا کی جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ سب کام جائز بلکہ باعثِ ثواب ہیں۔ اور واضح رہے کہ جس طرح قبروں کی زیارت اور ایصال ثواب حدیثوں سے ثابت ہیں اسی طرح قبروں کی زیارت کے لئے دن اور تاریخ کا مقرر کرنا بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ

> نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال کے شروع میں شہدائے اُحد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔ اور قبروں کے پاس یوں فرماتے تھے کہ اے احد کے شہیدو! تم پر سلام ہو کیونکہ تم لوگوں نے صبر کیا ہے۔ اور خلفائے راشدین بھی یونہی کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایک تاریخ معین پر شہدائے احد کے مزاروں کی زیارت کے لئے تشریف لے جانا۔ اور پھر بطریق تعیین ہمیشہ اسی تاریخ پر جانا۔ اور ان پر سلام پڑھنا۔ اور اُن کے لئے دعا کرنا بعینہ عرس مشایخ کا طریقہ ہے۔ اور درحقیقت یہی عرس کی حقیقت بھی ہے جس کے جواز و استحسان پر خیر القرون سے آجتک تمام اہلسنت کا اتفاق ہے۔

ایک ضروری تنبیہ

بعض عرس کے منکرین یوں کہتے ہیں کہ چونکہ عرسوں میں بہت سی ناجائز باتیں ہوتی ہیں لہٰذا عرس کرنا حرام ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عرس میں خرافات اور ناجائز باتیں مثلاً رنڈیوں کا ناچ، گانا بجانا، عورتوں مردوں کا اختلاط، طواف وسجدۂ قبر وغیرہ ہوں تو یہ ناجائز باتیں یقیناً حرام وناجائز ہوں گی۔ مگر نفس عرس جس کی حقیقت ہم نے بیان کی وہ بلاشبہ جائز ہی رہے گا۔ عرسوں میں فی زمانہ جو خرافات رائج ہو گئے ہیں ان کو سختی کے ساتھ روکنا اور اصلاح کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ مگر بجائے ان خرافات کو روکنے کے نفس عرس ہی کو حرام کر دینا یعنی ناک پر مکھی بیٹھ جانے سے بجائے مکھی اڑانے کے ناک ہی کا صفایا کر دینا کہاں کی دانشمندی ہے؟ خداوند کریم ان بیچارے خشک مغز ملاؤں کو علم وفہم عطا فرمائے کہ عوارض کی حرمت کا نفس شی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ عوارض لاکھ حرام سہی مگر یہاں تو سوال نفس عرس کا ہے اگر صداقت ہے تو اس کی حرمت پر کوئی دلیل پیش کرو۔ کیا اگر کچھ لوگ اپنی شامتِ اعمال سے حج میں چوریاں، ناجائز تجارتیں، بدنگاہیاں، حرم الٰہی کی بے ادبیاں کرنے لگیں تو اس کی وجہ سے حج ہی کو حرام کہہ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں! بلکہ یہی کیا جائے گا کہ ان حرام باتوں کو منع کیا جائے گا۔ حج سے کسی کو نہیں روکا جائے گا۔ اسی طرح اگر بعض عرسوں میں کچھ فساق وفجار ناجائز وحرام باتیں کرتے

ہیں تو ان کو منع کیا جائے گا۔ مگر یہ ہرگز فتویٰ نہیں دیا جائے گا کہ عرس کرنا ہی حرام ہے۔

قبۂ مزارات

مقابر اہل اللہ پر قبوں کی تعمیر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ مگر صحیح و مفتیٰ بہ قول یہی ہے کہ اگر غرض صحیح کیلئے ہو تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور در حقیقت یہ اختلاف کوئی اختلاف حقیقی نہیں بلکہ نزاع لفظی ہے۔ مانعین و مجوزین میں سے ہر ایک جس کو یہ منع کرتے اس کو وہ بھی جائز نہیں کہتے۔ اور جس کو یہ جائز کہتے ہیں اس کو وہ بھی منع نہیں کرتے جن جن فقہاء نے منع کیا ہے اسی جگہ منع کیا ہے جہاں کوئی شرعی مانع ہو۔ مثلاً غیر کی ملک میں تعمیر ہو۔ یا بہ نیت تفاخر ہو یا محض بے فائدہ ہو۔ لیکن اگر یہ صورتیں نہ ہوں۔ اور کوئی غرضِ صحیح ہو مثلاً زائرین کے آرام کیلئے۔ یا عوام و جہال کی نظر میں صاحب مزار کی عظمت پیدا کرنے کیلئے یا کفار کی توہین سے بچانے کیلئے ہو۔ تو اس وقت اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں کہ

ضرب الفسطاط ان کان لغرض صحیح کالتستر من الشمس للحی لا لاظلال المیت جاز۔	قبر پر خیمہ گاڑنا اگر کسی غرض صحیح کیلئے ہو مثلاً زندوں کو دھوپ سے بچنے کے لئے ہو تو یہ جائز ہے۔ ہاں اس خیال سے خیمہ نہ گاڑا جائے گا کہ اس سے مردوں کو سایہ ملے گا۔

اسی طرح کشف النور میں علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا قصد بذالک التعظیم فی اعین الناس حتی لا یحتقروا صاحب القبر۔	علماء، اولیاء، صلحاء کی قبروں پر قبوں کی تعمیر جائز ہے. جبکہ اس سے مقصود لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو۔ تاکہ لوگ صاحب قبر کی تحقیر نہ کریں۔

روایت فقہیہ کے علاوہ اس کا ثبوت سنت صحابہ سے بھی ہے چنانچہ علامہ احمد بن علی مصری نے فصل الخطاب میں تصریح کی ہے کہ قبروں پر خیمہ گاڑنا حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے سے ثابت ہے۔ چنانچہ ملک العلماء ابوبکر مسعود کاشانی قدس سرہٗ نے بدائع میں فرمایا کہ

روی ان عبد اللہ بن عباس لما مات بالطائف صلی علیہ محمد بن الحنفیۃ وجعل قبرہ مسنما وضرب علیہ فسطاطا۔	مروی ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب طائف میں وفات پائی۔ تو محمد بن حنفیہ نے اُن کی نماز جنازہ پڑھی۔ اور ان کی قبر کو مسنم بنایا اور اس پر خیمہ نصب کیا۔

اسی طرح عینی میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر پر حضرت فاطمہ بنت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے شوہر حسن بن حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہا کی قبر پر خیمہ نصب کیا۔ (الحجۃ القاطعہ)

فائدہ بعض احادیث میں قبروں پر عمارت بنانے کی ممانعت کا ذکر ہے واضح رہے کہ ان سب احادیث سے مراد وہ صورتیں ہیں جو ان دنوں یہود و نصاریٰ میں رائج تھیں کہ وہ اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بناتے تھے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے

لعن اللہ الیھود والنصاریٰ	اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت
اتخذوا قبور انبیاء ھم	فرمائے کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی
مساجد۔	قبروں کو مسجد بنالیا۔

حدیث مذکور دلیل صریح ہے کہ یہود و نصاریٰ موجب لعنت اس وجہ سے ہوئے کہ انھوں نے قبور انبیاء کو مسجد بنالیا تھا۔ تعمیر قبور کی ممانعت کی حدیثوں سے اسی صورت کو منع کرنا مقصود تھا ورنہ مطلقاً تعمیر تو جیسا مذکور ہوا خیر القرون میں بھی خیموں کی صورت میں رائج تھی۔ پھر اس کی ممانعت کیونکر ہو سکتی ہے ؟

اسی طرح جو بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ و السلام نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اونچی قبروں کو ڈھانے اور تصویر کے مٹانے کا حکم دیا تھا تو واضح رہے کہ ان قبروں سے مراد مومنین کی قبریں نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ یقیناً ان قبروں سے مراد مشرکین یا یہود و نصاریٰ کی قبریں تھیں۔ اور قبروں کے ڈھانے کے ساتھ تصاویر کے مٹانے کا حکم اس پر زبردست قرینہ بھی ہے۔ کیوں کہ

تصویروں کا رواج یہود ونصاریٰ ہی کی قبروں پر تھا۔ ورنہ ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جس قدر بھی مومنین کی قبریں تھیں ظاہر ہے کہ وہ سب حضور علیہ الصلاۃ والسلام کے علم واجازت ہی سے بنی تھیں پھر اُن کے ڈھانے اور مٹانے کا حکم کیا معنی رکھتا ہے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ اُن قبروں سے مراد کفار کی قبریں تھیں۔ اور کفار ہی کی قبروں کو کھودنا اور ڈھانا جائز بھی ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ:۔

امر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقبور المشرکین فنبشت

یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو کھود ڈالنے کا حکم فرمایا تو وہ کھود ڈالی گئیں۔ ورنہ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی قبروں کو کھودنا اور ڈھانا یقیناً مسلمان میت کی ایذارسانی اور اُن کی توہین ہے جو سخت حرام ہے! واللہ تعالیٰ اعلم

غلاف وچادر

مزارات اولیاء اللہ پر غلاف وچادر ڈالنے کو جمہور فقہاء نے جائز لکھا ہے۔ اور حدیث سے اس مسئلہ میں سند لاتے ہیں۔ چنانچہ سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ قاسم بن محمد بن ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوکر عرض کیا کہ

یا اماہ اکشفی لی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔	اے امّاں جان! میری خاطر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کا پردہ ہٹا دیجئے۔

دوسری حدیث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ ایک عورت نے کہا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے گزارش کی کہ

یا اماہ اکشفی لی قبر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکشفت لہا فبکت حتی ماتت۔	اے اماجان! میری خاطر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کا پردہ اٹھا دیجئے تو انھوں نے قبر کا پردہ ہٹا دیا۔ اور وہ عورت روتے روتے مر گئی۔

کشف کے معنی کسی چیز پر سے پردہ اٹھانے کے ہیں۔ حدیثوں میں اکشفی کا لفظ وارد ہوا۔ جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر کوئی پردہ یا غلاف پڑا ہوا تھا جس کو اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مزار پُر انوار کی زیارت سے اُن کو مشرف فرمایا چنانچہ مشائخ کرام کا معمول ہے کہ بزرگان دین کے مزارات پر چادر یا غلاف ڈال دیا کرتے ہیں۔ اور اس کو فقہاء نے جائز لکھا ہے جیسا کہ علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ

وضع الستور والعمائم والثیاب علیٰ قبور ہم امر جائز۔	غلاف، پگڑیاں اور کپڑے اولیاء اللہ کی قبروں پر ڈالنا جائز ہے

دوسرے فقہائے کرام نے بھی اس کے جواز پر فتویٰ دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

برگ و گل مزارات اہل اللہ پر پھول پتی ڈالنا جیسا کہ مشائخ کا معمول ہے۔ بلا شبہ جائز ہے۔ فتاوی غرائب و کنز العباد

میں ہے :۔

وضع الورد والریاحین	گلاب، اور خوشبودار پتیوں کا قبروں
علی القبور حسن لانه	پر ڈالنا اچھا ہے۔ کیونکہ وہ جب تک
مادام رطبا یسبح و یکون	تازہ رہیں گے تسبیح کریں گے۔ اور میّت
للمیت انس بتسبیحه	کو اُن کی تسبیح سے اُنس حاصل ہوگا۔

اور خاص اس کی سند حدیث شریف میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ہے :

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے۔ اور ان دونوں کا کوئی ایسا گناہ نہیں تھا جس سے بچنا دشوار رہو۔ ان میں سے ایک کا یہ جرم تھا کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ اور دوسرا چغلی کھاتا پھرتا تھا پھر حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک گیلی شاخ لے کر اُس کو دو حصوں میں چیر دیا۔ پھر ہر قبر میں ایک ایک کو گاڑ دیا جب لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ؟ تو فرمایا تاکہ اُنکے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔ جب تک دونوں شاخیں خشک نہ ہوں۔

شارحین حدیث نے زیر حدیث مذکور فرمایا لانهما یسبحان ما دامارطبین یعنی عذاب میں اس لئے تخفیف ہوگی کہ وہ شاخیں جب تک گیلی رہیں گی تسبیح پڑھیں گی۔ جب تر شاخ کا قبر پہ رکھنا

اور اس کے فوائد حدیث شریف سے ثابت ہیں۔ تو پھر پھول، پتی اور گیلی شاخ میں کوئی فرق نہیں۔ سب تسبیح پڑھنے میں برابر ہیں۔ اور فائدہ مذکور سب پر مرتب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

روشنی مزارات

چراغاں کرنا مزار ہو یا کہیں اور۔ اگر بلا کسی غرض محمود کے ہو تو بیشک عبث و ناروا ہے۔ اور اگر کسی غرض صحیح کے لئے ہو تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں۔ مثلاً (۱) مزار کے قریب مسجد ہو کہ مصلیوں کو آرام ملے (۲) مقابر سر راہ ہوں کہ راستہ چلنے والوں کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ اور قبر والوں کو بھی۔ کیوں کہ مسلمان مقابر مسلمین کو دیکھکر سلام کریں گے۔ فاتحہ پڑھیں گے۔ دعا کریں گے۔ (۳) قبرستان میں رات کے وقت بغرض فاتحہ و مراقبہ لوگ آتے ہوں۔ اور قرآن شریف وغیرہ پڑھتے ہوں۔ (۴) یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ کسی اہل اللہ کا مزار ہے تاکہ عوام باادب پیش آئیں۔ وغیرہ وغیرہ اس کے مثل دیگر فوائد ممدوحہ اگر موجود ہوں تو مزارات پر چراغاں ہرگز ممنوع نہیں بلکہ بہ نیت خیر باعثِ اجر ہے۔ اور جن جن احادیث و اقوال ائمہ میں اس کی ممانعت وارد ہے واضح رہے کہ ان سے مراد وہی صورتیں ہیں جہاں غرض صحیح کے لئے نہ ہو یا دوسرا کوئی فساد شرعی ہو مثلاً تفاخر وغیرہ کی نیت سے ہو۔ ورنہ غرض صحیح کی صورت میں اس کی ممانعت کی کوئی وجہ نہیں۔ علامہ عبد الغنی نابلسی قدس سرہٗ نے کشف النور میں فرمایا:۔

ایقاد القنادیل والشمع للاولیاء	قندیلیں، اور موم بتیاں جلانا اولیاء
یوقد عند قبورھم تعظیما لھم	کی قبروں کے پاس تعظیم و محبت کے لئے
ومحبة فیھم امر جائز لا ینبغی	جائز ہے۔ اس کو منع نہیں کرنا چاہیئے۔
النھی عنه	

علاوہ ازیں اور بھی بہت سے فقہائے کرام نے اس کے جواز کی تصریح کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تصرفات وفیضان ارواح

حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز نے اہل برزخ کو چار قسم کر کے ارشاد فرمایا کہ

جب اولیاء اللہ انتقال کرتے ہیں تو وہ اپنے بدنی علائق کو منقطع کر کے ملائکہ کے ساتھ مل جاتے ہیں اور انھیں میں سے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح فرشتے آدمیوں کے دل میں نیک باتوں کا القا کرتے ہیں یہ لوگ بھی کرتے ہیں اور جن کاموں میں فرشتے کوشش کرتے ہیں یہ لوگ بھی کرتے ہیں۔ کبھی یہ پاک روحیں خدا کا بول بالا کرنے اور اس کے لشکروں کی مدد کرنے میں مشغول ہوتی ہیں۔ یعنی کفار سے جہاد کے وقت

مسلمانوں کی امداد کرتی ہیں۔ اور کبھی بنی آدم سے اس لئے
قریب ہوتی ہیں کہ اُن پر افاضۂ خیر فرمائیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ)
اسی طرح حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی علیہ الرحمتہ
نے اپنی کتاب تذکرۃ الموتی میں تحریر فرمایا کہ

اولیاء اللہ نے فرمایا ہے کہ ہماری روحیں ہمارے جسم کا کام
انجام دیتی ہیں۔ بلاشبہ اولیاء اللہ کی روحیں زمین و آسمان اور
جنت میں جہاں چاہتی ہیں چلی جاتی ہیں۔ اور اسی حیات کی وجہ
سے اُن کے جسم کو قبر میں مٹی نہیں کھا سکتی۔ بلکہ بعضوں کا تو کفن بھی
سلامت رہتا ہے۔ ابن ابی الدنیا نے امام ملک سے روایت کی
ہے کہ مومنین کی روحیں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ مومنین
سے مراد کاملین ہیں۔ حق تعالیٰ ان کے جسموں کو روحوں کی طاقت
دیتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، ذکر کرتے ہیں۔
قرآن پڑھتے ہیں۔

الحاصل اہلسنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ ارواح مومنین بعد وفات
آزاد ہو جاتی ہیں۔ اور ان سے تصرفات صادر ہوتے ہیں۔ بلکہ خواص مومنین
یعنی اولیاء و شہداء سے تو ان کی وفات کے بعد ان کی حیات ظاہری
سے بھی زیادہ تصرف صادر ہونے لگتے ہیں۔ اور اُن کے تصرف کی قوتوں
میں ان کی حیات سے فزوں تر اضافہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ جہاں چاہتے
ہیں چلے جاتے ہیں۔ اپنے زائرین کے کلام کو سنتے، دیکھتے پہچانتے ہیں

زائرین کے آداب سے خوش اور ان کی بے ادبی سے ناراض ہوتے ہیں۔ جس پر بہت سی احادیث صحیحہ کی شہادت اعیان امت کی کتابوں میں موجود ہے۔ مگر ہم یہاں بخوف طوالت صرف چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

حدیث (۱) ایمان والے کی جب جان نکلتی ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی قید خانہ میں تھا۔ اب اُسے نکال دیا گیا ہے کہ وہ زمین میں گشت کرتا اور بافراغت چلتا پھرتا ہے۔

(حیات الموات)

حدیث (۲) حضرت امام احمد حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ بیشک مردہ پہچانتا ہے جو اسے غسل دے اور جو اسے اُٹھائے۔ اور جو اسے قبر میں اتارے۔

(حیات الموات)

حدیث (۳) ابن ابی الدنیا و ابن عساکر اور خطیب بغدادی وغیرہ محدثین حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب آدمی کسی ایسی قبر پر گزرتا ہے جس سے جان پہچان نہ تھی اور سلام کرتا ہے تو مردہ سلام کا جواب دیتا ہے۔

(حیات الموات)

حدیث (۴) دیلمی ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کفن اچھا دو۔ اور چلا کر رونے یا اسکی وصیت میں

دیر کرنے یا قطع رحم کرنے سے اپنی میت کو ایذا مت دو۔ اور اس کا قرض جلد ادا کر دو۔ اور بُرے ہمسایہ سے الگ رکھو (یعنی کفار و اہل بدعت کے پاس دفن نہ کرو)۔ (حیات الموات)

حدیث (۵) امام احمد عمارہ بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا کہ تو اس قبر والے کو ایذا مت دے۔ اور حاکم و طبرانی کی روایت ہے کہ

یا صاحب القبر انزل من القبر — اے قبر والے! اتر جا۔ نہ تو قبر والے کو
لا توذ صاحب القبر ولا یوذیک — ایذا دے نہ وہ تجھے تکلیف دے۔

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے قسم قسم کے تصرفات کا ثبوت ہے مگر ہم انھیں پر اکتفا کرتے ہیں۔ جو طالب حق کے لئے بہت کافی ہیں واللہ الہادی الی الرشاد وصلی اللہ تعالےٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین والحمد للہ رب العالمین۔

۷۸۶
۹۲

مختصر تاریخ مصنف

بقلم خود

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

میں ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ میں اپنے آبائی وطن گھوسی، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوا مختصر شجرۂ نسب حسب ذیل ہے۔

محمد عبد المصطفیٰ ابن شیخ حافظ عبد الرحیم بن شیخ حاجی عبد الوہاب، بن شیخ چمن (چمنوں بابا)، بن شیخ نور محمد (نیرہو بابا)، بن شیخ مٹھو بابا رحمۃ اللہ علیہم

خاندانی تذکرہ اس خاندان کا اصلی وطن قُردلی شریف تھا۔ جو دوہری گھاٹ سے چار میل پورب ایک قدیم آبادی تھی جہاں اس خاندان کے ایک مشہور بزرگ حضرت شیخ فرید بابا کا مزار بھی ہے۔ پہلے شعبان کے مہینے میں آپ کا عرس بھی ہوتا تھا جس میں ایک مرتبہ راقم الحروف بھی شریک ہو چکا ہے۔ گائے کی قربانی کے معاملے میں مقامی راجپوتوں سے جنگ ہوئی اور یہ خاندان وہاں سے ہجرت کر کے گھوسی میں آباد ہو گیا۔

حضرت والد ماجد صاحب قبلہ حافظ قرآن، اردو خواں، اور

مسائل دینیہ سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ گاؤں کے مشہور بزرگ حافظ عبدالستار صاحب کے شاگرد، اور اعلیحضرت شاہ سید علی حسین صاحب اشرفی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے بھائی اور مرشد حضرت شاہ سید اشرف حسین صاحب کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے مرید تھے۔

میرے دادا شیخ حاجی عبدالوہاب صاحب نہایت صابر، نیک نفس و عبادت گزار تھے بڑھاپے میں حرمین شریفین کا سفر کیا حج کے بعد مکہ معظمہ میں وصال ہوگیا۔ اور جنۃ المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔

میری والدۂ مرحومہ حلیمہ بی بی بہت نمازی، اور تلاوت قرآن مجید کی بیحد پابند تھیں صبح کو جب تک ایک پارہ تلاوت اور درود تاج و درود لکھی کا ورد نہ کرلیں گھر کا کوئی کام کاج نہیں کرتی تھیں۔ راہ نجات اور مفتاح الجنۃ وغیرہ اردو کی کتابیں بھی پڑھی ہوئی تھیں۔ انہی کی تربیت کا اثر تھا کہ میں بچپن سے نماز کا پابند ہوگیا۔ ۷ ار ربیع الاول ۱۳۵۰ھ میں سرسام کے مرض میں وفات پاگئیں۔ خداوند کریم مغفرت فرمائے آمین

خاندان کے چند اہل علم

اس خاندان میں مدت دراز سے علم دین کا چرچا رہا۔ میرے پر دادا کے حقیقی بھائی شیخ حاجی روشن صاحب بہت نامور گزرے ہیں۔ ان کے دونوں فرزند حافظ جان محمد اور حاجی حافظ نور محمد، حافظ قرآن اور مسائل دین سے واقف تھے۔ حافظ جان محمد صاحب کے چاروں صاحبزادے مولوی حکیم ہدایت اللہ صاحب و مولوی حکیم محمد یوسف صاحب و منشی محمد اسماعیل

صاحب وحافظ محمد بشیر صاحب اہل علم اور دیندار ہوئے۔ مولوی حکیم ہدایت اللہ صاحب علم منقول ومعقول میں حضرت مولانا ہدایت اللہ خانصاحب جونپوری کے شاگرد رشید اور علم طب میں حکیم حافظ عبدالولی صاحب لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تحصیل گھوسی کے مشہور اطباء میں آپ کا شمار تھا آپ کے فرزندوں میں مولوی عبدالحی صاحب بھی عالم دین ہوئے۔

مولوی حکیم محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کے جلیل القدر شاگرد تھے۔ بلند پایہ مقرر اور طبیب حاذق بھی تھے۔ بہت مدت تک تحصیل گھوسی کی عیدگاہ کے خطیب شہر بھی رہے آپ کے فرزندوں میں مولوی حکیم ابوالبرکات صاحب مولانا عبدالمتین صاحب بہاری کے شاگرد، اور مدرسہ عزیزیہ بہار کے فارغ التحصیل تھے۔ گھوسی ہی میں آپ کا مطب تھا۔ شوال ۱۳۸۹ھ میں انتقال ہوا۔ حافظ جی نور محمد صاحب کے دو فرزند تھے۔ منشی حاجی نظام الدین صاحب اور حاجی عبدالرحمن سیٹھ۔ اول الذکر فارسی کی قابلیت کے ساتھ شاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے۔ ان کے بڑے فرزند حافظ ممتاز احمد صاحب حافظ قرآن تھے جن کے صاحبزادے مولوی قاری ابواللیث صاحب دارالعلوم شاہ عالم احمد آباد کے فارغ التحصیل ہیں۔ میرے شاگرد ہیں اور داماد بھی۔

حضرت والد ماجد صاحب قبلہ کے تین بھائیوں اودست محمد و

عبدالکریم و حاجی محمد طیب میں سے دو پہلے تولاولد فوت ہوئے مگر حاجی محمد طیب صاحب کے اکلوتے فرزند محمد احمد صاحب مرحوم تھے جن کے فرزندان، محمد و عبدالولی و حامد علی و رحمت علی ہیں سو مولوی عبدالولی صاحب بھی عالم دین ہیں۔

میرے چھوٹے بھائی محمد خلیل مرحوم قرآن مجید اور اردو پڑھے ہوئے تھے ۳ رمضان ۱۳۸۱ھ میں وفات پائی۔ ایک لڑکا معین الدین اور ایک لڑکی ساجدہ ان کی یادگار ہیں۔ میری اولاد میں دو لڑکے مولوی غلام رسول اور فضل رسول اور چار لڑکیاں زبیدہ و حامدہ و عارفہ و فاطمہ حیات ہیں۔ خداوند کریم ان سب کو ذریت طیبہ بنائے اور عافیت دارین و ترقی درجات و حسن خاتمہ عطا فرمائے

میرا بچپن میری پیدائش سے پہلے والدین کے آٹھ بچے سب بچپن ہی میں فوت ہو چکے تھے۔ اور میں ایسے وقت میں پیدا ہوا کہ والدین کو اولاد کی بھوک پیاس حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی اسلئے میری پرورش انتہائی ناز و نعمت میں ہوئی۔ میں نے آنکھ کھولی تو گھر میں ماں باپ کے علاوہ اپنی ایک خالہ زاد بہن آمنہ کو دیکھا۔ انکو والدہ مرحومہ نے گود لے لیا تھا اور اپنا دودھ پلا کر پالا تھا۔ یہ مجھ سے چند برس بڑی ہیں اور انھوں نے مجھے گود میں کھلایا ہے۔ پہلے میرے گھرانے کی مالی حالت اچھی تھی۔ اور پورے گاؤں میں یہ خاندان بہت آسودہ حال تھا۔ تسکر کی کھنڈ ساری کا بہت بڑا کارخانہ تھا۔ اسی لئے آجتک یہ خاندان

کارخانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ مگر میں نے جب ہوش سنبھالا تو اپنے گھر میں ہر طرف انتہائی غربت وافلاس کا سایہ دیکھا۔ لیکن والدین نے اپنی غریبی کے باوجود مجھے اکلوتا بیٹا ہونے کی وجہ سے بے حد لاڈ پیار سے پالا پھول پان کی طرح سنبھال سنبھال کر رکھتے۔ اور میری ہر خواہش وتمنا کو ضرور پوری کرتے۔ ماں باپ کی انہی نازبرداریوں کی وجہ سے میں ضدی مزاج ہوگیا تھا۔ جس کا آج تک بھی اتنا اثر باقی ہے کہ اگر کوئی میری بات نہیں مانتا تو مجھے غصہ آجاتا ہے !

تعلیم وتربیت

قرآن مجید اور اردو کی چند کتابیں حضرت والد ماجد صاحب کی خدمت میں پڑھ کر کریم الدین پور کے مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوا۔ ان دنوں مولوی عبدالحکیم صاحب مرحوم اور منشی علیم اللہ خاں مرحوم اس مدرسہ میں مدرس تھے۔ چوتھے درجے تک اردو کی تعلیم حاصل کرکے فارسی شروع کی۔ پھر گھوسی کے مدرسہ ناصرالعلوم میں چند ماہ پڑھا۔ مگر یہ مدرسہ گھر سے بہت دور پڑتا تھا اس لئے بیسواڑہ کے مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوگیا۔ اور مولوی محمد سعید خاں صاحب فتحپوری مرحوم کے پاس یوسف زلیخا اور اخلاق محسنی وغیرہ فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد اپنے ننہال پورہ معروف چلا گیا۔ اور مدرسہ معروفیہ میں میزان سے لے کر شرح جامی تک کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔

تعلیمی سفر

رمضان ۱۳۵۱ھ ہجری میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ ضلع مرادآباد کے ناظم اعلیٰ حضرت الحاج قاضی محبوب احمد صاحب قبلہ عباسی مجدی زید مجدہٗ گھوسی تشریف لائے۔ اور مجھے امروہہ چلنے کی ترغیب دلائی۔ پھر مولوی محمد سعید خاں صاحب فتحپوری مرحوم۔ اور مولوی حکیم شمس الہدیٰ صاحب مرحوم اور حضرت استاد محترم مولانا غلام جیلانی اعظمی صاحب قبلہ دامت برکاتہم نے بھی بہت زیادہ رغبت دلائی چنانچہ ۔ ار شوال ۱۳۵۱ھ کو امروہہ روانہ ہوا اور مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں داخل ہوا اور حضرت مولانا غلام جیلانی صاحب قبلہ اعظمی اور حضرت مولانا حکمت اللہ صاحب قبلہ امروہی اور حضرت مولانا سید محمد خلیل صاحب چشتی کاظمی امروہی کی خدمت میں ایکسال تعلیم حاصل کرکے شعبان کی تعطیل کلاں میں مکان چلا آیا۔ پھر ۱ار شوال ۱۳۵۲ھ کو حضرت صدر الشریعۃ مولانا امجد علی صاحب قبلہ مصنف بہار شریعت قدس سرہ العزیز کے ہمراہ بریلی روانہ ہوا۔ اور دارالعلوم منظر اسلام بریلی میں داخل ہوا۔ اس مدرسہ میں ملاحسن۔ میبذی وغیرہ چند کتابیں حضرت مولانا الحاج سردار احمد صاحب قبلہ گورداسپوری علیہ الرحمہ سے پڑھیں۔ باقی تمام اسباق حضرت صدرالشریعۃ قبلہ قدس سرہ کے زیر تدریس رہے۔ بریلی میں چار سال مقیم رہا۔ اور اس دوران میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب قبلہ خلف اکبر و سجادہ نشین اعلیحضرت

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت کا خاص طور پر شرف حاصل رہا۔ چند
سفروں میں حضرت قبلہ نے مجھے اپنا رفیق سفر بھی بنایا۔ اعلیحضرت
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برادر خرد مولوی محمد رضا خاں صاحب عرف ننھے
میاں صاحب مرحوم سے فرائض کی مشق کی اور حضرت اقدس مفتی
اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قبلہ دامت معالیہم
کے دارالافتاء میں بھی حاضر باش رہا۔ کبھی کبھی چھیٹوں میں مرادآباد
بھی جاتا اور حضرت صدرالافاضل مولانا حافظ حکیم نعیم الدین صاحب قبلہ
قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بھی حاضری دیتا۔ عرس رضوی میں
ہندوستان بھر کے اکابر علمائے اہلسنت کا بریلی میں اجتماع ہوتا۔ میں
ان سب علماء کی زیارت و خدمت کا شرف حاصل کرتا۔ سُبحان اللہ
وہ منظر نگاہوں کے سامنے اب بھی ہے کہ جب یہ تمام علمائے اہلسنت
قل شریف کے وقت ایک جگہ تشریف فرما ہوتے تھے تو ایسا
محسوس ہوتا تھا کہ غالباً آسمان بھی زمین پر رشک کرتا ہوگا۔

بریلی میں میری طالب علمی کا زمانہ بڑی تنگدستی اور افلاس
میں گزرا۔ اسی مجبوری کی وجہ سے میں نے اعظم نگر مشیت اللہ کی
مسجد میں امامت کی۔ چار روپیہ ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ اور محلے سے
کھانا ملتا تھا۔ لیکن اس مسجد میں میرا تمام سامان چوری ہوگیا
اس لئے دل برداشتہ ہو کر یہ مسجد چھوڑ دی پھر محلہ گھیر شیخ مٹھو کی
مسجد نیاریان میں ایک سال امام رہا۔ پھر یہ مسجد بھی چھوڑ دی

اور اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مقدسہ کے مغربی جانب والے کمرے میں قیام کیا۔ اور بعد عصر ایک ٹیوشن پڑھانے لگا جس سے خرچ پورا ہوتا رہا۔

جب حضرت صدر الشریعۃ قبلہ قدس سرہ العزیز دار العلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں (علی گڑھ) تشریف لے گئے تو میرا دل بھی بریلی سے اچاٹ ہوگیا۔ اور میں رمضان شریف کی تعطیل میں مکان جانے کی بجائے دار العلوم منظر اسلام کی سفارت میں چلا گیا۔ مولوی شفقت رسول صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔ ہم دونوں ایک ساتھ اجمیر شریف۔ جودھپور۔ پالی مارواڑ۔ احمد آباد۔ بھڑوچ اور سورت وغیرہ کا دورہ کرکے عید کرنے کے لئے بریلی آگئے۔ پھر میں ۱۰ر شوال ۱۳۵۵ھ کو علی گڑھ روانہ ہوگیا اور دار العلوم حافظیہ سعیدیہ میں داخل ہوگیا۔ تعطیل کلاں میں مکان گیا تو شعبان ۱۳۵۶ھ میں میرے ماموں کی صاحبزادی صالحہ خاتون سے میری شادی ہوئی۔ علی گڑھ میں ۲ دو سال حضرت صدر الشریعۃ قبلہ قدس سرہ العزیز کی خدمت میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ اور بحمدہ تعالیٰ دونوں سال امتحان سالانہ میں اعلیٰ نمبروں سے کامیاب ہوکر کامیاب نمبر اول کا انعام حاصل کیا۔

دار العلوم حافظیہ سعیدیہ کے متولی الحاج نواب غلام محمد خانصاحب شروانی برادر خورد خان بہادر نواب ابوبکر خانصاحب شروانی مرحوم نہایت علم دوست، دیندار بلکہ زاہد شب زندہ دار تھے۔ اور مدرسین وطلبہ

پر انتہائی مہربان تھے۔ ایک مرتبہ تمام طلبہ سے امتحان کے لئے وَرَفَعْنَالَكَ ذِكْرَكَ کی تفسیر لکھائی۔ حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب خلف الصدق حضرت مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھی ممتحن تھے بحمد اللہ تعالیٰ اس میں بھی میں کامیاب نمبر اول رہا حضرت مرحوم نواب صاحب بیحد مسرور ہوئے اور اپنے دست مبارک سے انعام کے طور پر ایک گراں قدر رقم عنایت فرمائی۔ اور میری تفسیر کو مشاعرہ نعتیہ خیر آباد ۱۳۵۶ھ کے مجموعہ نعت میں بطور مقدمہ کے شائع فرمایا۔

علی گڑھ میں الحاج نواب محمد صالح خاں صاحب رئیس بھیکم پور جو میرے مرشد برحق علیہ الرحمہ کے پیر بھائی تھے۔ اور انتہائی علم نواز اور بہت دیندار و تہجد گزار تھے۔ ان کی کوٹھی غریب منزل علی گڑھ میں اپنے مرشد برحق علیہ الرحمہ کے ہمراہ بارہا میں نے قیام کیا۔ یہ بھی مجھ پر بہت کرم فرماتے رہے۔ اور چند مرتبہ میری مالی مدد فرمائی۔

علی گڑھ کالج میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف صاحب علیہ الرحمہ پروفیسر دینیات جو میرے استاد حضرت صدر الشریعۃ قبلہ قدس سرہ العزیز کے ہمسبق تھے۔ ان کی خدمت میں بھی چند مرتبہ حاضر ہوا کبھی کبھی مجھ سے علمی سوالات بھی فرماتے اور میرے جوابوں سے بہت محظوظ ہوتے۔ نہایت پرشکوہ، خوش پوشاک اور بہت ہی جید فاضل معقول و منقول تھے۔ اور اپنی جلالت علم و قوت تفہیم میں بلاشبہہ یکتائے

روزگار تھے۔

صدر الصدور الحاج نواب حبیب الرحمن خانصاحب شروانی مرحوم سے بھی چند مرتبہ شرف ملاقات حاصل ہوا۔ بہترین عالم نواز اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے بالخصوص علم تاریخ میں توانھیں مہارت تامہ حاصل تھی۔ مطالعہ کتب کا شوق اور نایاب و نادر کتابوں کے ذخیرہ کا انھیں انتہائی ذوق و شغف تھا۔ اپنی تصانیف کا پورا سیٹ مجھے عطا فرمایا۔ اور حبیب گنج میں اپنے کتب خانہ کی سیر بھی کرائی۔

بیعت و خلافت مجھے پیری مریدی سے کوئی خاص لگاؤ نہیں تھا بلکہ زمانہ طالب علمی میں اکثر پیروں کا مذاق اڑایا کرتا تھا لیکن جب شوال ۱۳۵۱ھ میں تعلیم کے لئے امروہہ گیا۔ تو حضرت قاضی ابن عباس صاحب عباسی نقشبندی علیہ الرحمہ کی زیارت و صحبت کا موقع ملا۔ حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب مرحوم اور میرے وطن کے سب طلبہ حضرت قبلہ کے مرید ہو گئے تھے میں روزانہ بعد مغرب ختم خواجگان پڑھنے میں شامل ہوتا۔ میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے ذکر و شغل اور معمولات نقشبندیہ کی پابندی اور انکی مقدس و پاکیزہ زندگی سے انتہائی متاثر ہوا۔ غیر شعوری طور پر خود بخود میرا قلب حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی طرف مائل ہونے لگا۔ بلکہ ختم پڑھتے پڑھتے بعض وقت ایسی کشش پیدا ہوتی کہ میرا دل چاہتا کہ

میں ان سے لپٹ جاؤں۔ میں نے اپنے ان قلبی واردات کو کسی سے ذکر نہیں کیا۔ لیکن دل میں یہ عزم کر لیا کہ میں بھی ضرور حضرت قبلہ علیہ الرحمہ سے بیعت کر کے حلقے میں بیٹھا کروں گا۔ مگر ناگہاں ۱۶ ؍صفر ۱۳۵۲ھ کو حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کا وصال ہو گیا۔ مجھے حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی بیعت سے محروم رہنے کا بڑا رنج و قلق ہوا۔ بہر حال میں نے یہ عزم کر لیا تھا کہ میں کسی نقشبندی بزرگ ہی سے بیعت کروں گا۔ چنانچہ ایک سال کے بعد حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے عرس میں بریلی سے امروہہ حاضر ہوا تو مرشد برحق حضرت الحاج حافظ شاہ ابرار حسن خاں صاحب نقشبندی شاہجہاں پوری علیہ الرحمہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ جو عرس میں شرکت کے لئے امروہہ تشریف لائے تھے پتہ چلا کہ یہ بھی حضرت قاضی ابن عباس صاحب عباسی نقشبندی علیہ الرحمہ کے پیر بھائی ہیں بحمدہ تعالیٰ مجھے عقیدت پیدا ہو گئی۔ اور ناگہاں اس قدر کشش ہوئی کہ میں نے ۱۷ ؍صفر ۱۳۵۳ھ کو بعد نماز ظہر جبکہ شدید گرمی کی وجہ سے حضرت اقدس مکان کے تہ خانے میں رونق افروز تھے حضرت اقدس سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کر لی۔ بیعت کے بعد حضرت اقدس نے مجھے حلقے میں بیٹھا کر توجہات عالیہ سے نوازا اور لطیفۂ قلب کی تعلیم فرمائی۔ اس کے بعد زمانۂ طالب علمی میں بریلی اور علی گڑھ سے بارہا امروہہ اور دہلی کے عرسوں میں حاضر ہوتا اور حضرت اقدس کے حلقوں میں شریک ہوتا۔ پھر امروہہ کی ملازمت

کے دوران میں حضرت اقدس کے خلیفہ جناب الحاج قاضی محبوب احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم کے حلقے میں بھی اکتساب فیض کرتا رہا۔ یہاں تک کہ جب ۲۰ ذوالقعدہ ۱۳۷۰ھ کو حضرت اقدس کا وصال ہوگیا تو اس کے بعد سے آج تک آپ کے خلیفۂ برحق جناب الحاج قاضی محبوب احمد صاحب قبلہ عباسی نقشبندی مدظلہ العالی سے اکتساب فیض و تعلیم مقامات نقشبندیہ مجددیہ کا سلسلہ جاری ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس سلسلۂ عالیہ کی برکت سے اپنی محبت و معرفت و اتباع سنت کے ساتھ عافیت دارین و خاتمہ بالخیر عطا فرمائے۔ آمین

سلسلۂ نقشبندیہ کے علاوہ دوسرے سلاسل کے بزرگوں سے بھی مجھ فقیر کو فیض پہنچا۔ چنانچہ ۲۵ صفر ۱۳۵۸ھ میں عرس رضوی کے دن بعد قل شریف حجۃ الاسلام حضرت مولانا شاہ الحاج حامد رضا خانصاحب قبلہ خلف اکبر و سجادہ نشین اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سلسلۂ عالیہ رضویہ قادریہ کی خلافت عطا فرمائی۔ میں اپنی نااہلی اور حضرت قبلہ کی عنایات کریمانہ سے متاثر ہوکر آبدیدہ ہوگیا۔ خود میں نے کہیں اسکا تذکرہ نہیں کیا، مگر چونکہ بہت سے لوگ اس مجلس میں حاضر تھے اسلئے اس کا چرچا ہوگیا۔

اس کے علاوہ حرمین طیبین میں جو نعمتیں حاصل ہوئیں اُن کا تذکرہ سفر حج کے عنوان میں تحریر کردوں گا۔

مدرسہ اسحاقیہ جودھپور کی ملازمت

فارغ التحصیل ہونے کے بعد سب سے پہلے مدرسہ اسحاقیہ جودھپور میں ملازم ہوا۔ حضرت پیر مولانا سید راحت علی صاحب قادری و مولوی سید عنایت علی جی صاحب، و حکیم سید اصغر علی صاحب و ڈاکٹر محمد احسان صاحب، و ڈاکٹر عبد الغفور صاحب و سید محمد علی صاحب و حاجی غلام مصطفےٰ صاحب فروٹ مرچنٹ وغیرہ اس مدرسہ کے خصوصی اراکین تھے۔ میں نے اس مدرسہ میں درس نظامی کا افتتاح کیا۔ اور بہت سے طلبہ فارسی و عربی کی جماعت میں داخل ہوئے۔ یہ مدرسہ بہت جلد ترقی کر کے ایک اچھا دار العلوم بن جاتا۔ مگر ناگہاں جودھپور میں ہندو مسلم بلوہ ہو گیا۔ جس میں شہر کے بہت سے نامور مسلمانوں کی گرفتاری کے ساتھ سب پردیسی علماء بھی گرفتار کر لئے گئے۔ چنانچہ مجھکو بھی اشتعال انگیز تقریر کرنے کا الزام لگا کر گرفتار کیا گیا۔ اور ۶ رجون ۱۹۳۹ء کو مہاراجہ امید سنگھ کی حکومت نے ریاست جودھپور سے شہر بدر کرنے کی سزا دی۔ اور میں پولیس کی حراست میں جودھپور سے اجمیر شریف پہنچا دیا گیا۔ اس واقعہ سے جودھپور کے سنیوں کو بیحد رنج و قلق ہوا۔ اور مدرسہ اسحاقیہ کی ترقی کی ساری اسکیمیں تہس نہس ہو گئیں۔ اور میں چند دن اجمیر شریف میں حاضر رہ کر اپنے وطن چلا آیا۔ مگر الحمد للہ کہ اب پچیس برس کے بعد مدرسہ اسحاقیہ مولانا الحاج محمد اشفاق حسین صاحب کی کوششوں سے پھر ترقی پر ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کو راجستھان کا مرکزی دار العلوم بنا دے۔

مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ کی مدرسی

ستمبر ۱۹۳۹ء میں حضرت اقدس الحاج قاضی محبوب احمد صاحب قبلہ کی دعوت پر امروہہ حاضر ہوا۔ اور مدرسہ محمدیہ حنفیہ میں مدرس دوم مقرر ہوگیا۔ ایک سال کے بعد اپنی اہلیہ کو بھی اپنے ہمراہ امروہہ لے گیا اور تین برس تک یہاں تدریس کی خدمت انجام دیتا رہا۔ حضرت مولانا سید محمد خلیل صاحب کاظمی چشتی مدظلہٗ یہاں صدر مدرس تھے۔ ان تین برسوں میں حضرت موصوف کے فیوض علیہ سے بہت زیادہ استفادہ کا موقع ملا۔ اور حضرت اقدس الحاج قاضی محبوب احمد صاحب قبلہ دامت برکاتہم کی خدمت میں سلسلۂ نقشبندیہ کے اذکار و مراقبات کی بھی بہترین توفیق حاصل ہوئی۔ میری بڑی لڑکی زبیدہ خاتون بھی ۲۳ رجمادی الاخری ۱۳۶۰ھ کو امروہہ میں پیدا ہوئی۔ ۸ راگست ۱۹۴۲ء کو ملک بھر میں کانگریس کا اندولن ہوا۔ ریلوے لائنیں اکھاڑ دی گئیں جابجا ہنگامے ہوئے۔ جاپان نے کلکتہ پر بمباری کی۔ ان ہنگاموں سے گھبرا کر اہلیہ اور خورد سال بچی زبیدہ کو ہمراہ لے کر امروہہ سے وطن چلا گیا اسی درمیان میں ناگہاں مدرسہ محمدیہ حنفیہ کے مقدمۂ وقف میں ہائی کورٹ سے شیعوں کی ڈگری ہوگئی۔ اور یہ سُنّی مدرسہ ٹوٹ گیا۔ اس طرح یہ ملازمت خود بخود ختم ہوگئی۔

دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں علمی و دینی خدمات

اسی سال دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں یہ انقلاب ہوا کہ تمام مدرسین مستعفی ہوکر چلے گئے۔ اور یہ مرکزی علمی ادارہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ صدر مدرس حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مدظلہ العالی نے جامعہ عربیہ ناگپور میں ملازمت کرلی۔ ایسی حالت میں صدر کمیٹی شیخ محمد امین صاحب انصاری کا دعوت نامہ لے کر محب محترم مولوی سید شمس الحق صاحب میرے مکان پر تشریف لائے۔ اور درحقیقت موصوف ہی نے مجھے ترغیب دے کر دارالعلوم اشرفیہ کی ملازمت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ غالباً اکتوبر ۱۹۴۲ء کو بعہدۂ صدر مدرس دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور میں میرا تقرر ہوگیا۔ اور بحمدہ تعالیٰ انتہائی جانفشانی کے ساتھ دوبارہ اس کا نظام درست کیا چنانچہ ایک سال کی قلیل مدت میں پھر یہ علمی ادارہ اپنے شباب پر پہنچ گیا۔ اور حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب مدظلہ العالی بھی ناگپور سے مستعفی ہوکر پھر دارالعلوم اشرفیہ میں تشریف لائے وہ صدر مدرس ہوئے اور میں اُن کا نائب ہوگیا۔ اور بحمدہ تعالیٰ نہایت اتحاد و اتفاق کے ساتھ ہم دونوں گیارہ برس تک دارالعلوم اشرفیہ کی ترقی کے لئے دوش بدوش جد و جہد کرتے رہے۔ اور اس مدت میں طلبہ کی کثیر تعداد فارغ التحصیل و دستار بند ہوئی۔ مدرسین و طلبہ کے علاوہ مبارکپور و اطراف کے برادران اہلسنت بھی مجھ سے انتہائی محبت و

وعقیدت کے ساتھ مانوس وگرویدہ رہے۔ دارالعلوم اشرفیہ، اور جامع مسجد راجہ مبارک کے چند دن میں میری ولولہ انگیز تقریر دن اور پرجوش نظموں نے جو انقلاب پیدا کیا اب بھی اہل مبارک پور کے دلوں میں اس کی یاد باقی ہے۔ فللہ الحمد۔

دارالعلوم شاہ عالم کی تاسیس و ترقی کا تاریخی شاہکار

دارالعلوم اشرفیہ سے اپنے قلبی تعلق اور روحانی گرویدگی کے باعث مجھے مبارکپور چھوڑنا کسی طرح گوارا نہیں تھا۔ گیارہ سال میں بہت اچھی اچھی اور گراں قدر ملازمتیں ملتی رہیں۔ مگر میں نے سب کو دارالعلوم اشرفیہ کی محبت پر قربان کر دیا لیکن نوشتۂ تقدیر کو کیا کروں کہ ۱۹۵۲ء میں سلسلۂ تقریر مجھے احمد آباد مدعو کیا گیا۔ اور میری تقریباً مسلسل بیس تقریریں ہوئیں جن سے شہر میں ایسی بیداری اور انقلاب پیدا ہوا کہ عمائد شہر نے احمد آباد میں ایک سنّی دارالعلوم قائم کرنے کا عزم کر لیا۔ میں اس سفر میں بائیس دن جناب چھیپہ الحاج سیٹھ عثمان غنی چاندجی رنگ والے کی بلڈنگ میں مقیم رہا۔ اور انھوں نے ایسی پرخلوص مہمان نوازی فرمائی کہ عمر بھر میں اس کو فراموش نہیں کر سکتا اس کے چند ہی ماہ بعد احمد آباد میں ایک تعلیمی کانفرنس ہوئی جس میں علمائے اہلسنت کا ایک عظیم اجتماع ہوا۔ اور میں خود بھی اس میں شریک تھا مگر اس کانفرنس میں ایک دارالعلوم قائم کرنے کا ریزولیشن پاس کر دینے کے

سوا کچھ بھی نہیں ہوا۔

اس کے بعد حضرت اقدس مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قبلہ اور آپ کے برادر زادہ حضرت مولانا شاہ ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں صاحب احمد آباد تشریف لے گئے۔ آخر الذکر نے بریلی سے چند طلبہ کو بلا کر دار العلوم شاہ عالم کا افتتاح کر دیا۔ اور احمد آباد سے روانہ ہو گئے اس کے بعد حضرت اقدس مفتی اعظم صاحب قبلہ اور شہر احمد آباد کے عمائد اہلسنت نے مسلسل خطوط لکھ کر دار العلوم شاہ عالم کی ملازمت قبول کرنے پر مجھے مجبور کر دیا۔ مگر بڑی مشکل یہ تھی کہ اہل مبارک پور مجھے چھوڑنے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے تھے۔ مگر بالآخر حضرت اقدس محدث اعظم ہند صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح اس معاملہ کو سلجھایا کہ دار العلوم اشرفیہ کی کمیٹی سے مجھے سات ماہ کی رخصت دلا کر عارضی طور پر مجھے احمد آباد بھیجا۔ چوں کہ دار العلوم اشرفیہ کے طلبہ کو مجھ سے انتہائی گرویدگی و عقیدت تھی اس لئے بہت سے طلبہ میرے ہمراہ احمد آباد چلنے کے لئے تیار ہو گئے مگر میں نے صرف دورۂ حدیث کی پوری جماعت، اور دوسری جماعتوں کے چند فوقانی طلبہ کو ہمراہ لیا اور احمد آباد روانہ ہو گیا۔ دار العلوم شاہ عالم کے پاس نہ تو کوئی مکان تھا۔ نہ کتب خانہ نہ بورڈنگ نہ مطبخ، تمام درسی کتابیں میں مدرسہ محمدیہ حنفیہ امروہہ سے عاریت کے طور پر لایا۔ اور بسم اللہ منزل کے دو کمروں میں اپنا اور طلبہ

کا سامان رکھا۔ یہ دونوں کمرے حاجی سلیمان ابراہیم کے قبضے میں تھے جو انھوں نے کرایہ پر لے رکھے تھے۔ کئی دن تک اراکین مدرسہ یہی سوچتے رہے کہ کون سی جگہ درس کا افتتاح کیا جائے۔ بالآخر چھیپہ واڑ کی مدرسہ والی مسجد میں غالباً یکم ستمبر ۱۹۵۳ء کو میں نے بخاری شریف وغیرہ کے درس کا افتتاح کیا۔ اور دن رات اس دارالعلوم شاہ عالم کی ترقی کے لئے انتہائی جد وجہد کر کے بسم اللہ منزل کو خرید کر اس میں دارالعلوم شاہ عالم کو منتقل کیا۔ خدا گواہ ہے کہ اس دینی درسگاہ کو قائم کرنے اور ترقی دینے میں اتنی محنت کرنی پڑی کہ نہ زندگی میں کبھی اس سے پہلے اتنی محنت کی تھی نہ آیندہ کبھی ہو سکے گی۔ اکیلے درس وتقریر اور فتاویٰ کی خدمت انجام دینے کے علاوہ تمام گجرات کا دورہ کر کے مالیات کا فراہم کرنا۔ اس پر بد مذہبوں اور حاسدوں کی طرف سے بے پناہ جسمانی و روحانی تکلیفوں اور اذیتوں کا پہنچنا۔ یہ وہ روح فرسا شدائد و مصائب تھے جنھوں نے میری صحت کو جھنجھوڑ کر رکھدیا۔ اور میں قسم قسم کے امراض میں مبتلا ہوگیا۔ مگر میں نے اس دارالعلوم شاہ عالم کی محبت میں سب کچھ برداشت کرلیا۔ اور بالآخر اس کو معراج ترقی پر پہنچا کر ہی دم لیا۔

اس پوری جد وجہد میں حاجی سلیمان ابراہیم، الحاج سیٹھ عثمان غنی چاندجی چھیپہ رنگ والے۔ الحاج سیٹھ غنی بھائی جمال جی ڈیوڑھی والے الحاج سیٹھ عبدالکریم موسیٰ جی میڑھی والے۔ چھیپہ نور محمد بھائی رکھیپی والے چھیپہ عبدالکریم ماکھی والے۔ سیٹھ الحاج اللہ بخش جی رنگ والے۔

صدر ہمت چھپان مرحوم۔ الحاج غلام قادر بھائی۔ عبد اللہ بھائی منار
قاری حافظ جمال الدین صاحب۔ برادران حسینی کمیٹی لال ل۔ احمد آباد
کے مشائخ کرام وغیرہ خاص طور پر میرے رفیق کار اور معین و مددگار رہے۔
اور بحمدہ تعالیٰ پورے گجرات کے سُنّی مسلمان اس دینی ادارہ سے وابستہ
ہوگئے۔ اور یہ مدرسہ گجرات کا مرکزی دار العلوم اور اس کا آرگن ماہنامہ
"طیبہ" گجرات میں اہل سنت کا ایک معیاری رسالہ بن گیا! مگر دار العلوم
شاہ عالم سے میری جدائی بھی میری زندگی کا ایک الیسا المناک درد و فرسا
سانحہ ہے جس کو تمام عمر میں فراموش نہیں کر سکتا۔

وہابیوں دیوبندیوں کے علاوہ، بہاری اور یوپی والے چند سُنّی
مولوی اور گجرات کے بعض مُلّا جو میری مقبولیت اور کامیابی پر حسد کی
آگ میں جل رہے تھے۔ یہ لوگ ہمیشہ میرے درپے ایذاء رہے۔ تہمت
لگائی حکومت میں میرے خلاف عرضیاں دیتے رہے۔ طرح طرح کی
سازشوں کا جال بچھاتے رہے۔ یہاں تک کہ سکریٹری حاجی سلیمان
ابراہیم سے حساب فہمی کے معاملے میں میرا اختلاف ہوگیا۔ اور یہ شخص
جو پانچ برس تک میرا بہترین نیازمند اور خدمت گزار رہا یکایک میرا
کٹر دشمن ہوگیا۔ اور پھر میرے تمام مخالفین سے مل کر میرے خلاف ایک
زبردست محاذ بنالیا۔ اور مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ تجربہ ہوا کہ ایک دیندار
عالم دین کا ایک دنیادار جاہل سے مقابلہ کتنا دشوار ہوتا ہے؟ ان لوگوں نے
مجھے اتنا ستایا کہ احمد آباد کی زمین میرے لئے تنگ ہوگئی۔ چنانچہ فروری

۱۹۵۹ء میں جنرل کمیٹی کے اندر میں نے اپنا استعفا پیش کر دیا اور حرمین شریفین کی روانگی کا اعلان کیا۔ کمیٹی نے میرا استعفا منظور نہیں کیا۔ مگر میرا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اس لئے، ار شعبان ۱۳۷۹ھ کو اپنی محنتوں کے پھل دار العلوم شاہ عالم کو خدا حافظ کہکر، اور گجرات کے ہزاروں اہلِ محبت کو غمگین و سوگوار چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ اپنے وطن روانہ ہوگیا۔

دار العلوم صمدیہ کی ملازمت

حرمین شریفین سے واپسی کے بعد ملازمت کا بالکل ارادہ نہیں تھا کیونکہ احمد آباد کی ملازمت میں جو تکلیفیں پہنچی تھیں اُن سے قلب پاش پاش ہوچکا تھا۔ اور مدارس اسلامیہ کی ملازمت سے انتہائی نفرت ہوچکی تھی۔ لیکن جب سرہند شریف کے عرس میں حاضر ہوا۔ اور میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں عرض کیا تو ناگہاں میرے قلب کا حال بدل گیا۔ اور پھر ملازمت کی طرف طبیعت مائل ہوگئی۔ میں نے اپنے ذوق سے یہ سمجھ لیا کہ غالباً یہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا روحانی تصرف واشارۂ طیبہ ہے۔ چنانچہ مکان پر آیا تو دار العلوم صمدیہ بھیونڈی کی ملازمت کا تار اور خط ملا۔ میں نے یہ ملازمت قبول کر لی۔ اور ۶ مارچ ۱۹۶۰ء کو دورۂ حدیث اور دوسری جماعتوں کے طلبہ کو ہمراہ لے کر بھیونڈی پہنچا۔ اور بحمدہ تعالیٰ چار برس تک نہایت سکون واطمینان اور عزت واحترام کے ساتھ علم دین کی خدمت کرتا رہا۔ اور بھیونڈی و بمبئی اور اطراف کے سُنّی مسلمان بھی بفضلہ تعالیٰ مجھ سے

انتہائی مانوس و عقیدتمند ہوگئے۔ مگر چونکہ یہ ایک شخص واحد کا دارالعلوم ہے۔ عوام کو اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس لئے میں اپنی مرضی کے مطابق اس کو ترقی نہیں دے سکا۔ مگر پھر بھی ایک حد تک اچھے پیمانے پر کام ہوتا رہا۔ پھر ناگہاں دارالعلوم صمدیہ کے متولی الحاج سیٹھ عبدالشکور صاحب کے برتاؤ میں مجھے کچھ فرق محسوس ہوا لہذا میں نے فوراً استعفاء پیش کر دیا۔ اگرچہ میرا استعفاء انھوں نے منظور نہیں فرمایا اور بھیونڈی کے بہت سے اہل محبت نے مجھے روکنے کی کوشش بھی فرمائی لیکن میں بھیونڈی سے روانہ ہوگیا۔

مدرسہ مسکینیہ دھوراجی میں

مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے اراکین ایک مدت سے میرے مشتاق تھے چنانچہ سابق سکریٹری سیٹھ عمر حاجی اسمعیل شاہی گرہ مرحوم ایک مرتبہ مجھے بلانے کے لئے بھیونڈی بھی تشریف لائے۔ اور انتہائی اصرار کیا کہ میں دھوراجی چلوں۔ مگر اس وقت میں نے دینی مصلحتوں کی بناء پر بھیونڈی چھوڑنا کسی طرح مناسب نہیں سمجھا۔ مگر مشیت ایزدی کہ جونہی میں دارالعلوم صمدیہ کی ملازمت سے کبیدہ خاطر ہوا فوراً ہی "مدرسہ مسکینیہ" دھوراجی کے سکریٹری الحاج سیٹھ اسماعیل پوٹھیا والے کا تار، اور مولانا الحاج حکیم علی محمد صاحب اشرفی کا خط میری طلبی کے لئے موصول ہوا۔ چنانچہ میں نے یہ ملازمت قبول کر لی۔ اور بھیونڈی سے طلبہ کی جماعت کو ہمراہ لے کر دھوراجی چلا گیا۔ اور یکم اپریل ۱۹۶۴ء کو مدرسہ مسکینیہ میں

درس کا افتتاح کر دیا۔

مدرسہ مسکینیہ تقریباً چالیس برس سے قائم ہے اور اس مدرسہ میں حضرت مولانا حشمت علی خاں صاحب قبلہ لکھنوی علیہ الرحمہ و حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب، و حضرت مولانا مفتی عبدالرشید خاں صاحب قبلہ و حضرت مولانا عبدالعزیز خانصاحب قبلہ فتحپوری وغیرہ اکابر علماء اہل سنت درس دیتے رہے۔ مگر اس مدرسہ کی کوئی مستقل عمارت نہیں تھی۔ کبھی جامع مسجد میں، کبھی ناگانی تکیہ کی مسجد میں یہ مدرسہ چلتا رہا۔ جب میں دھوراجی پہنچا تو یہ مدرسہ ناگانی تکیہ کی مسجد میں ایک نہایت ہی بوسیدہ کھپریل کے چھپرے میں تھا جو حوض کے اوپر بنا ہوا تھا۔ مجھے سب سے پہلے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ مدرسہ کے لئے کوئی وسیع اور باوقار عمارت کی سخت ضرورت ہے چنانچہ میں نے اس کے لئے انتہائی جد و جہد کی۔ اسی سلسلے میں مولانا الحاج حکیم علی محمد صاحب اشرفی کے ہمراہ سیٹھ الحاج یوسف غنی ماکڑا صاحب سے بھی ملاقات کی۔ سیٹھ صاحب موصوف نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنی ایک بلڈنگ جو محلہ بالاواڑ میں حضرت لدھا شاہ بابا کی درگاہ کے متصل ہے مدرسہ مسکینیہ پر وقف کر دی۔ اور مدرسہ اس بلڈنگ میں منتقل ہو گیا اور آج تک مدرسہ اسی بلڈنگ میں ہے!

میرے تین برس قیام کے دوران بفضلہ تعالیٰ مدرسہ بڑی شان و

شوکت سے چلتا رہا۔ اور ۱۹۶۶ء میں چھ طلبہ کی دستار بندی بھی ہوئی۔ جسمیں نورچشم مولوی غلام رسول صاحب بھی فارغ التحصیل ہوکر دستار بند ہوئے۔ درس وتدریس کے علاوہ دھوراجی اور اطراف کے تمام بڑے شہروں میں سیکڑوں تقریریں بھی ہوئیں جس سے مسلمانوں میں دینی بیداری کی ایک عظیم لہر پیدا ہوگئی۔ اور سنیت کو بیحد تقویت حاصل ہوئی۔ اور بحمدہ تعالیٰ کاٹھیاواڑ میں مولیٰ عزوجل نے مجھے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ شاید ہی کسی عالم کو اس علاقہ میں حاصل ہوئی ہوگی۔ مگر ناگہاں حضرت والد ماجد صاحب قبلہ مرحوم نے اپنے ضعف پیری کے خیال سے یہ فرمایا کہ اب تم وطن سے قریب رہتے تو بہت اچھا تھا اور میں خود بھی چودہ برس تک پردیس کی زندگی سے اکتا چکا تھا اس لئے میں نے دھوراجی چھوڑ دینے کا عزم کرلیا۔

منظرِ حق ٹانڈہ میں اسی دوران میں دارالعلوم مدرسہ منظرحق میں ملازمت کی دعوت ملی۔ اور میں نے یہ دعوت قبول کرلی۔ اور دھوراجی جاکر استعفا پیش کردیا۔ اور اپنا سامان لے کر ٹانڈہ آگیا۔ اور ۲۷ر فروری ۱۹۶۷ء کو "منظر حق" میں پہلا سبق پڑھایا خدا کی شان کہ تیسرے ہی دن یعنی یکم مارچ ۱۹۶۷ء کو حضرت والد ماجد صاحب قبلہ مرحوم پر مرض فالج کا حملہ ہوا۔ اور پورے تین ماہ علیل رہ کر ۳۱ر مئی ۱۹۶۷ء مطابق ۲۰ر صفر ۱۳۸۷ھ بروز چہار شنبہ بوقت ۴½ بجے تقریباً پچاسی برس کی عمر میں حضرت موصوف نے رحلت

فرمائی۔ بوقت وفات بحمدہ تعالیٰ میں مرحوم کے سامنے حاضر تھا اور غسل نیز نماز جنازہ پڑھانے کی سعادت بھی مجھے نصیب ہوئی۔ والد مرحوم کی وفات میری زندگی میں والدہ مرحومہ کی وفات کے بعد میرے لئے سب سے بڑا حادثہ، رنج و غم ہے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

"منظر حق" میں جس وقت میں نے قدم رکھا تو عربی درجات میں صرف ایک عالم مولوی محمد طیب خاں صاحب گونڈوی اور ایک حافظ مدرس تھے اور چند بیرونی طلبہ تھے۔ اراکین میں شدید اختلاف کے باعث کمیٹی اور مالیات کا نظام بالکل درہم برہم تھا۔ مگر بحمدہ تعالیٰ صرف ایک سال میں کمیٹی کی تنظیم اور مالیات کا نظام بالکل منظم ہوگیا اور دوسرے سال بلڈنگ فنڈ کا چندہ کر کے پانچ کمرے بھی تعمیر ہوگئے اور اس وقت بحمدہ تعالیٰ ع۔ بی درجات میں چار عالم ایک قاری ایک حافظ اور پرائمری کے درجات میں چھ ماسٹر مدرس ہیں۔ اور بیرونی طلبہ کی تعداد پچپن ہے۔ جن کے خورد و نوش کا انتظام مدرسہ کے مطبخ کیطرف سے ہے۔ ۱۹۶۸ء میں بارہ طلبہ کی اور ۱۹۷۰ء میں دس طلبہ کی دستار بندی بھی ہو چکی اور امسال بھی یعنی ۱۹۷۱ء میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ چار عالموں اور چند حافظوں کی دستار بندی ہوگی۔ اور ہر سال درس عالیہ عالم، مولوی، منشی کے امتحانات میں بھی طلبہ شریک ہوتے ہیں۔ خداوند کریم کا بیشمار شکر ہے کہ تادم تحریر نہایت ہی سکون و اطمینان کے ساتھ باعزت تدریس و تصنیف اور مواعظ کے ذریعے اسلام و سنیت کی خدمت

انجام دے رہا ہوں۔ اور بفضلہ تعالیٰ مدرسین و طلبہ و عوام سب خوش اور عقیدتمند ہیں۔ خداوند کریم انجام بخیر فرمائے۔ (آمین)

تدریس کی اس طویل ملازمت میں سیکڑوں طلبہ کی تعلیمی خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اور آج الحمد للہ کہ ملک کے گوشے گوشے میں اس فقیر کے تلامذہ، تدریس و تقریر اور مناظرہ و تصنیف کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اور بعض ملک کی بڑی بڑی درسگاہوں میں صدر المدرسین بھی ہیں۔

مواعظ و فتویٰ نویسی

درس کے ساتھ ساتھ وعظ گوئی و افتاء کا سلسلہ بھی برابر جاری رہا۔ الحمد للہ کہ درس کی طرح فقیر کا وعظ بھی مقبول خواص و عوام رہا۔ اور اس وعظ گوئی کی بدولت یو۔پی، بہار، بنگال، پنجاب، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، میسور، گجرات، سوراشٹر، راجستھان، پاکستان کی سیاحت کا موقع ملا اور غریبوں کے جھونپڑوں، سرمایہ داروں کے بنگلوں اور نوابوں کے محلات میں مہمانی میسر ہوئی۔ اور چند غیر مسلم مشرف بہ اسلام بھی ہوئے۔

تحریر کردہ فتاوی کی نقلیں بہت کم محفوظ رہیں۔ پھر بھی بفضلہ تعالیٰ چھوٹے بڑے چھ سو فتاویٰ کی نقلیں موجود ہیں۔ جو اگر توفیق ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی طبع ہو کر مسائل دینیہ کے ذخیروں میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ ھوالموفق۔

شاعری

مجھے زمانۂ طالب علمی ہی سے شعر و سخن کا اچھا ذوق ہوگیا تھا۔ نعت شریف اور قومی نظموں کے علاوہ غزل کی صنف میں بھی طبع آزمائی کرتا تھا۔ اور باقاعدہ مشاعروں میں شرکت کرتا رہا۔ اپنے کلاموں کا ایک مختصر مجموعہ بھی مرتب کرلیا تھا مگر دار العلوم اشرفیہ مبارکپور میں میرے کمرے کے اندر آگ لگ گئی جسمیں قیمتی کتابوں کے ساتھ یہ بیاض بھی نذر آتش ہوگئی۔ اب دس سال سے یہ ذوق ہی ختم ہوگیا۔ اور میرے بعض تلامذہ کے پاس میری چند نظمیں اور غزلیں اس طرح باقی رہ گئی ہیں کہ ؎

کچھ بلبلوں کو یاد ہیں کچھ قمریوں کو حفظ
بکھری ہوئی چمن میں مری داستان ہے

سفر حرمین شریفین

الحمد للہ کہ ۱۱؍شوال ۱۳۷۸ھ بروز دوشنبہ مطابق ۲۰؍اپریل ۱۹۵۹ء کو حضرت والد صاحب قبلہ کے ہاتھ سے ایک گلاس شربت پی کر اس مقدس سفر میں اپنے مکان سے روانہ ہوا۔ اور شاہجہاں پور۔ بریلی۔ امروہہ۔ دہلی اجمیر شریف۔ پالی مارواڑ کے مزارات طیبہ پر حاضری دیتے ہوئے اور احباب و اکابر کی دعاؤں کا توشہ جمع کرتے ہوئے ۱۹؍شوال ۱۳۷۸ھ کو احمد آباد پہنچا اور محب محترم جناب الحاج سیٹھ عثمان غنی چاندجی چھیپہ رنگ والے کے مکان پر ایک ہفتہ مقیم رہا۔ اور اس مدت میں احمد آباد بلکہ گجرات بھر کے احباب سے ملاقات ہوتی رہی۔ ۲۷؍شوال ۱۳۷۸ھ

کو احمد آباد اور گجرات کے سینوں نے بہت ہی پرشکوہ جلوس کے ساتھ رخصت کیا۔ چھ روز بمبئی میں ٹھہر کر ۴ ر ذیلقعدہ ۱۳۷۸ھ کو محمدی جہاز سے روانہ ہوکر ۱۱ر ذیلقعدہ ۱۳۷۸ھ کو عصر کے وقت جدہ کے ساحل پر اُتر گیا۔ برادر طریقت جناب الحاج عبد الحمید صاحب جو دھپوری مقیم جدّہ گودی پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ سامان مسافر خانہ مدینۃ الحجاج بھیجکر خود موصوف کے مکان پر قیام کیا۔ دوسرے دن ۱۲ر ذیلقعدہ ۱۳۷۸ھ بروز جمعرات بعد نماز عشاء حرم شریف میں حاضر ہوگئے۔ اور معلّم محمد نور خوقیر صاحب کے مکان پر قیام کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہوا کہ عین اس وقت جبکہ میں حرم کعبہ معظمہ میں داخل ہوا ٹھیک اسی دن اسی تاریخ اسی وقت گھوسی میں نور چشم فضل رسول پیدا ہوئے۔

۹ر ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۹۵۹ء بروز دوشنبہ میدان عرفات میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوا۔ اور الحمدللہ پورے ارکان وواجباتِ حج مطابق سنت ادا کرنے کی توفیق ہوئی۔ خداوند کریم قبول فرمائے۔ (آمین)

منیٰ میں شدید گرمی کی وجہ سے مجھے بخار آگیا تھا۔ ایک ہفتہ بیمار رہ کر صحتیاب ہوا۔ ایک مہینہ اور چھبیس ۲۶ دن مکہ مکرمہ میں قیام رہا۔ پانچ عمرہ تنعیم سے اور ایک عمرہ جعرانہ سے ادا کیا۔

۹ر محرم ۱۳۷۹ھ کو بعد نماز ظہر طواف وداع کر کے مدینہ منورہ کو روانگی ہوئی نماز عصر جدہ میں۔ نماز مغرب جدہ سے چند میل آگے میدان

یں اور نماز عشا منزل بدر میں ادا ہوئی۔ منزل قریشہ میں تین گھنٹے سوئے اور ۱۰ محرم ۱۳۷۹ھ طلوع آفتاب کے وقت مدینہ منورہ حاضر ہو گئے غسل و تبدیل لباس سے فارغ ہو کر مواجہہ اقدس میں پہلی حاضری ہوئی بارہ دن مدینہ منورہ میں حاضری رہی۔ اور ستاون نمازیں مسجد نبوی شریف میں ادا ہوئیں۔ اور مدینہ منورہ کے تمام مشاہد و مقامات مقدسہ کی حاضری کی نعمتیں حاصل ہوئیں ۲۱ محرم ۱۳۷۹ھ کو بعد نماز عصر رنج و غم سے نڈھال، زار و قطار روتے ہوئے مدینہ منورہ سے رخصت ہو گئے۔ جدہ میں پھر برادر طریقت الحاج عبد الحمید صاحب جو دھپوری کے مکان پر قیام کیا۔ محب موصوف اور ان کے بھائی الحاج مسٹر عبد الحفیظ صاحب منیجر بمبئی کولا فیکٹری نے آمد و رفت میں ایسی مخلصانہ اور شاندار مہمان نوازی فرمائی کہ عمر بھر اس کی یاد فراموش نہ ہو گی۔ انھوں نے اپنے مکان پر میرے وعظ کا ایک جلسہ بھی کیا۔ اور تمام ہندوستانی و عرب سامعین کی دعوت بھی کی ڈیڑھ گھنٹے میں نے تقریر کی اور الحاج مولانا احمد نورانی میاں خلف الصدق حضرت مولانا الحاج شاہ عبد العلیم صاحب میرٹھی نور اللہ مرقدہٗ نے صلاۃ وسلام پڑھا۔ ۲۶ محرم کو مظفری جہاز سے روانہ ہو کر ۲ صفر ۱۳۷۹ھ مطابق ۷ اگست ۱۹۵۹ء بروز جمعہ صبح ۸ بجے بخیریت بمبئی پہنچ گیا۔ واپسی میں تین دن تک جہاز طوفان میں رہا۔ بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ ۶ صفر کو بمبئی سے روانہ ہو کر ۷ صفر بروز چہارشنبہ ۹ بجے

رات میں مع الخیر اپنے وطن گھوسی پہنچ گیا۔

علمائے حرمین شریفین کی ملاقات اور اُن کے انمول قدر تبرکات

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں جہاں مقامات مقدسہ اور عتبات عالیہ کی زیارتوں سے سرفراز ہوا۔ بہت سے علمائے کرام اور اہل اللہ کی صحبتوں کی نعمت سے بھی مالا مال ہوا ان میں سے حسب ذیل اکابر ملت و اساطین امت قابلِ ذکر ہیں۔ جنھوں نے مجھ فقیر کو اپنی اجازتوں اور سندوں کی نعمت عطا فرمائی۔

حضرت مفتی محمد سعد اللہ المکی

علمائے مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے حضرت مفتی سعد اللہ صاحب مکی علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ چونکہ بمبئی میں حضرت قبلہ سے نیاز حاصل کر چکا تھا اس لئے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا۔ ضعف پیری کی وجہ سے قیام دشوار تھا۔ میں قدمبوس ہوا۔ تو مرحبا اهلاً وسهلاً بالولد الصالح فرما کر بیٹھے ہی بیٹھے مجھ سے معانقہ فرمایا۔ اور پیشانی کو بوسہ دیا اور بہت دیر تک ہندوستان کے حالات دریافت فرماتے رہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ بہت اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہو گئی۔ اب میرا آخری وقت ہے اور چند تبرکات میرے پاس ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کاش کوئی اہل مل جاتا تو میں اس کو عطا کر دیتا۔ سیب کا مربّہ اپنے دست مبارک سے کھلایا۔ چائے عطا فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اب کھنا تو میرے لئے بہت ہی

دشوار ہے مگر پھر بھی انشاء اللہ تعالیٰ میں تم کو سند حدیث اور اعمال و وظائف کی اجازت اپنے قلم سے تحریر کر کے عطا کروں گا۔ چنانچہ حسب وعدہ حضرت اقدس نے دلائل الخیرات و حزب اعظم و قصیدۂ بردہ کی اجازت اور صحاح ستہ کی سند اپنے دستِ مبارک سے تحریر فرما کر عطا فرمائی اور دلائل الخیرات و حزب اعظم وغیرہ کی وہ جلد جس میں خود برسوں انھوں نے تلاوت فرمائی تھی۔ اور جس پر سیکڑوں نوٹ اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمائے ہیں وہ مجھ فقیر کو عنایت فرمادی۔ ساتھ ہی تسبیح، مسواک پنکھا، تکیہ کا غلاف اور دوسرے سامان مرحمت فرما کر اپنے رومال سے دستار بندی فرمائی اور آبدیدہ ہو کر دعا فرمائی۔

سند مبارک و اجازت اعمال و وظائف جو حضرت اقدس نے ۲۷ ذوالحجہ ۱۳۷۵ھ بروز جمعہ بعد نماز جمعہ اس فقیر کو مکہ مکرمہ میں اپنے مصلّٰی پر بیٹھ کر مصافحہ کے بعد عنایت فرمائی وہ حسبِ ذیل ہے:۔

سند حدیث شریف و اجازت دلائل الخیرات و حزب البحر وغیرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ العظیم الجلیل + مجیز الحامدین لہ بالجزاء الجزیل + والصلاۃ والسلام علی ذی الخلق العظیم والخلق الجمیل + سیدنا محمد المجیز بشفاعتہ علی الصراط کل من اھتدیٰ بھدیہ الی سواء السبیل + وعلیٰ آلہ وصحبہ وحملۃ شریعتہ ونجیبہ

وتابعيه جيلاً بعد جيل = اما بعد فاقول وانا الفقير الحقير الحقيق
بانى اجاز على فرض كونى من اهل العلم ابو السعود محمد سعد الله
المكى بن العالم الفاضل العامل بعلمه إبى النصر محمد نصر الله
الخطيب لقبا ابا عن جد الحنفى ان حضرة الفاضل والعالم
الكامل جامع المعقول والمنقول تلميذ صدر الشريعة مصنف
بهار الشريعة فى الفقه الحاج المولوى محمد عبد المصطفى الاعظمى
بن الشيخ عبد الرحيم الفائز بشهادة العالمية بالمدرسة
الحافظية السعيدية الكائنة ببلدة على گڈھ قد استجازنى فاعتذرت
اليه بجهلى وعدم اهليتى فلم يرض منى الا بان اجيزه حيث
ظن بى جزاه الله خيرا خيرا وان كنت احقر من ان يتوهم فى
ذلك او يزعم ـ فشرعت فى اجازته مجملا وجلا قائلا اللهم
اجعلنى كما يظنون ـ وفوق ما يظنون ـ ولا تفضحنى فى
الدارين المجون ـ واجزته بما تجوز وتصح روايته ودرايته
اجازة عامة من اجازة العوام للخواص والاصاغر للاكابر ملاحظا
فيها مجرد كونى واسطة فى ربط سند المذكور بسند من
اجازنى حضرة شيخى وملاذى بلا نزاع ـ ومحقق عصر من
غيره دفاع ـ جامع تفسير الاكليل ـ على مدارك التنزيل
مولنا الشيخ محمد عبد الحق رحمه الله رب الخلق عن
مشايخه العظام ـ وكما اجازنى العارف بالله العالم الفاضل

المحدث السيد امين رضوان المدنى عن مشايخه الكرام۔
وكما اجازنى سيدى واستاذى وملاذى الجامع بين العلوم
العقلية والنقلية حضرة السيد محمد بن حامد بن احمد الحنفى
الحسنى المدرس بالمسجد الحرام عن المشايخ الكرام الافاضل
كحضرة الشيخ ابراهيم السقاء الازهرى والشيخ محمد الانبابى
الازهرى والشيخ حسن العدوى الحمراوى الازهرى والشيخ
السيد امين رضوان المدنى ونحوهم جزاهم الله عنى خير الجزاء
ولولا تلك الملاحظة لما اجزته لانى لست اهلا لشئى سوى
القصور والتقصير۔ والجهل الكثير۔ واستغفر الله من اجترائى
على مثل ذلك واجزته بقراءة دلائل الخيرات وحزب البحر
وقصيدة البردة الشريفة والحزب الاعظم للامام الملا على
قارى بعد التصحيح والمقابلة۔ واسئل حضرة المذكور ان يكثر
صيغ التسبيح الواردة فى الحصن الحصين للامام الهمام الجزرى
خاتمة المحدثين وان يكثر الصلواة الواردة فى الاحاديث
الشريفة وان لا ينسانى من دعائه واوصيه واياى بتقوى
الله تعالى فانها خير زاد۔ فى المعاش والمعاد۔

برز ذلك منى يوم الجمعة المباركة السابع والعشرين من
ذى الحجة الحرام عام الثامن والسبعين وثلثمائة بعد الالف
من هجرة من له العز والشرف وصلى الله تعالى على سيدنا محمد

خاتم النبیین و علیٰ آلہ و صحبہ و اتباعہ اجمعین والحمد للّٰہ
رب العلمین

حررہ الراجی لطف ربہ الجلی والخفی
ابوالسعود محمد سعد اللّٰہ المکی الحنفی

مہر

حضرت مولٰنا الحاج شاہ سراج الہدیٰ صاحب سجادہ نشین بیت الانوار گیا دی اور مولانا الحاج حکیم غلام مصطفیٰ صاحب کوثر پاکستانی کو بھی میں حضرت علیہ الرحمۃ کی خدمت میں لے گیا اور تعارف کرایا تو حضرت علیہ الرحمہ نے ان دونوں صاحبوں کو بھی دلائل الخیرات و حزب اعظم و حزب البحر وغیرہ اعمال و وظائف کی اجازت عطا فرمائی جس کی مجھے بیحد خوشی ہوئی۔

مولانا السید علوی عباس المکی مفتی المالکیہ

یہ نہایت ہی نورانی صورت و کریم النفس سید اور بہت جلیل القدر عالم ہیں مدرسۃ الفلاح اور حرم شریف میں مدرس الحدیث ہیں۔ اور مکہ مکرمہ کے نائب قاضی بھی ہیں۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی دامت برکاتہم نے ان کے نام تعارفی خط تحریر فرمایا تھا۔ میں خط لے کر حرم

شریف میں باب السلام کے پاس حاضر خدمت ہوا۔ خط میں میرے تعارف کے یہ الفاظ پڑھ کر کہ تلمیذ تلمیذ مولانا الشیخ احمد رضا خان الہندی پڑھکر دریافت فرمایا کہ مولانا شیخ احمد رضا خاں ہندی کے شاگرد کے شاگرد عبد المصطفےٰ اعظمی تمھیں ہو۔ میں نے عرض کیا۔ جی ہاں۔ یہ سنتے ہی بڑی گرم جوشی کے ساتھ معانقہ فرمایا پھر چند منٹ حضرت مفتی اعظم ہند قبلہ اور اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ فرماکر ارشاد فرمایا کہ کل تم میرے مکان پر آؤ۔ اور مکان کا پتہ تحریر فرما کر دیا۔ چنانچہ میں دوسرے دن دولت خانہ پر حاضر ہوا۔ وہاں الجزائر د شام و حلب کے چند مالکی علماء بھی تشریف فرما تھے۔ دو گھنٹے صحبت کا شرف حاصل رہا۔ پھر تو روزانہ کا معمول ہوگیا کہ میں مکان پر حاضر ہوتا اور مختلف دیار و امصار کے علماء سے علمی گفتگو کا لطف اٹھاتا۔ اور حضرت قبلہ کو بھی میرے ساتھ انس بڑھتا چلاگیا۔ ہر آنے والے عالم سے میرا ان لفظوں میں تعارف فرماتے کہ ھذا من افاضل الھند و تلمیذ تلمیذ الشیخ مولانا احمد رضا الھندی۔

ایک دن میں نے حدیث رحمت کی روایت کے لئے درخواست کی تو اپنی سند خاص کے ساتھ حدیث رحمت کی قرآت فرمائی۔ اور مجھ فقیر کو بھی اس کی اجازت عطا فرمائی۔ اس کے بعد تو اس قدر کرم فرمانے لگے کہ ایک دن اپنی تمام تصانیف کی ایک ایک جلد مرحمت فرمائی اور صحاح ستہ اور دوسری تمام مرویات کی تحریری اجازت و سند

بھی عطا فرمائی۔ جو مندرج ذیل ہے:

سند حدیث شریف از مولانا السید علوی عباس المالکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صورۃ الاجازۃ

الحمد للہ الذی رفع لمن وقف ببابہ قدرا۔ واعلیٰ لمن انتسب لجنابہ ذکرا۔ والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی جری الماء النمیر من بین بنانہ۔ وتفجرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ ولسانہ۔ وعلیٰ آلہ الاطہار۔ وصحابتہ الاخیار۔ الذین ھم اولوا الھدایۃ والارشاد۔ وبدور العلم والاسناد۔ ماروی براو حدیثا وعنعنہ۔ واسندہ فصححہ اوحسنہ وبعد فیقول خادم الطلبۃ الکرام بمدرسۃ الفلاح والمسجد الحرام۔ علوی بن المرحوم السید عباس المالکی لماکان اتصال الاسناد اجل نعمۃ۔ وکان مماخصصت بہ ھذا الامۃ۔ رغب فی تحصیلہ اخی حقا ومحبی فی اللہ صدقا الکامل الاریب الطالب الادیب الحاج المولوی محمد عبد المصطفیٰ الاعظمی بن الشیخ عبدالرحیم الھندی الفائز بشھادۃ العالمیۃ بالمدرسۃ الحافظیۃ السعیدیۃ ببلدۃ علی کرہ فی الھند اصلح اللہ احوالہ۔ وبلغ آمالہ۔ فلما حسن ظنہ فیّ فضلاً۔

وان لم اكن لذلك اهلاً۔

ر أيت اجابته لمطلوبه۔ واسعافه بمرغوبه۔ رغبة فى اتصال العلم۔ وحذرًا من اثم الكتم۔ فاقول قد اجزت القاضى المذكور۔ ذا السعى المشكور۔ بجميع مروياتى ومجازاتى ومؤلفاتى من معقول ومنقول۔ كما اجازنى اشياخى الفحول۔ اخص بالفضل منهم والدى المرحوم السيد عباس المالكى۔ والشريف عبدالحى الكتانى۔ والبدر المعمر السيد على حبشى المدنى۔ والشيخ عمر حمدان۔ والشيخ حبيب الله الشنقيطى وغيرهم واحيله فى اسانيد الكتب على الثبت الكبير المنسوب للعلامة الامير فانى ارويه من عدة طرق۔ منها اننى اروية عن الشيخ حبيب الله الشنقيطى عن السيد محمد كامل الهبراوى الحلبى عن الشيخ ابراهيم السقا عن الامير الصغير عن والده الامير الكبير (ح) وارويه ايضا عن الشيخ حبيب الله المذكور عن الشيخ حسين بن ابراهيم الازهرى عن الشيخ عثمان بن حسن الدمياطى عن الامير واوصيه ونفسى بالتقوى۔ فانها اجل حلية واقوى وبالتثبت فى النقل والرواية۔ والاستفادة والافادة۔ وان يكون فى طلب العلم فى زيادة۔ واوصيه بمجالسة الصالحين۔ ومجانبة الملحدين والادب مع الائمة المجتهدين۔ والعمل بالعلم فى الافعال والاقوال۔ وتذكرى بالدعاء فى كل حال۔ خصوصًا اذا اصرت

تحت اطباق التراب۔ وانتفرت لدعاء الاحباب۔ واوصیہ ایضا بمراجعۃ ماسئل عنہ من القول۔ ولا یقول علی ما تقتضیہ العقول۔ وان یعتمد فی ذالک علی عدۃ من النقول لیفوز ان شاء اللہ بالقبول۔ وصلی اللہ علی سیدنا محمد و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

قالہ بفمہ وامر برقمہ
خادم العلم الشریف والطلبۃ الکرام
بمدرسۃ الفلاح والمسجد الحرام
علوی عباس المالکی
حامدًا و مصلیا و مسلما
۲۵ر ذوالحجہ ۱۳۷۸ھ

مہر

مولانا محمد بن العربی الجزائری

یہ مکہ مکرمہ کے اعلم العلماء ہیں اور حضرت مولانا سید علوی عباس اور اکثر علمائے مکہ مکرمہ کے استاد ہیں۔ ان کے نام بھی حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کا خط ملا تھا حضرت مولانا سید علوی عباس صاحب مجھے اپنی موٹر میں بٹھا کر یکم محرم الحرام کو چند اعیان واشراف مکہ مکرمہ سے مجھے ملاتے ہوئے اور سب کو نئے سال کی مبارکباد دیتے ہوئے محلۃ الشامیہ میں حضرت مولانا محمد بن العربی الجزائری کے مکان پر لے گئے، میں نے حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کا خط پیش کیا۔ اور

حضرت مولانا سید علوی عباس صاحب نے ان لفظوں میں میرا تعارف کرایا کہ ھذا من افاضل الھند۔ عالم کبیر یتکلم بالعربیہ ۔

حضرت مولانا جزائری صاحب خط پڑھ کر کھڑے ہو گئے اور مرحبا اھلاً و سھلاً فرما کر معانقہ فرمایا۔ اور شربت تمر ہندی پلایا۔ پھر حضرت مولانا سید علوی عباس صاحب تو سالِ نو کی مبارکباد دے کر رخصت ہو گئے مگر میں ایک گھنٹہ صحبت میں حاضر رہا۔ پھر تو اس قدر گہرا تعلق ہو گیا کہ ایک گھنٹہ کے لئے وہاں کی حاضری میرا روزانہ کا معمول بن گیا اور ایک دن مجھے بخار آگیا تو حضرت قبلہ اپنے تلمیذ خاص مولانا محمد نور صاحب کو ساتھ لے کر میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے ان کی خدمت میں ایک مرتبہ حدیث شریف کی قرآت بھی کی میرے بارے میں چند مرتبہ حاضرین سے فرمایا کہ علیٰ ھذا الرجل برکۃ المشائخ اور اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ہندوستان کا جب کوئی عالم ہم سے ملتا ہے تو ہم اُس سے مولانا شیخ احمد رضا خاں ہندی کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ اگر اس نے تعریف کی تو ہم سمجھ لیتے ہیں کہ یہ سُنّی ہے۔ اور اس نے مذمت کی تو ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ شخص گمراہ اور بدعتی ہی ہمارے نزدیک یہی ایک کسوٹی ہے۔

حضرت مولانا جزائری صاحب نے اپنی تصنیف فرمودہ کتابوں پر ھدیۃ الی الفاضل مولانا عبد المصطفیٰ الھندی لکھ کر اور دستخط فرما کر مجھے بطور یادگار عطا فرمائی اور مجھے صحیح بخاری شریف اور موطا

کی ایک خاص الخاص سند کعبہ معظمہ کے سامنے حرم شریف میں بیٹھ کر عطا فرمائی جو مندرج ذیل ہے!

سند حدیث شریف از مولانا محمد بن العربی الجزائری شیخ الحرم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی اجاز اهل عکاظ و ذی المجاز۔ بالفضائل والفواضل والاعزاز۔ و رفع بھم لواء الاسلام علی کل شرف و مجاز۔ والصلاۃ والسلام علی سید الوجود سیدنا محمد المؤید بالدلائل و الاعجاز۔ و علی آلہ و اصحابہ الذین عزروہ و نصروہ و اعزھم دینہ ای اعزاز۔ اما بعد فیقول العبد الفانی محمد بن العربی بن التبانی بن الحسین الحسنی الادریسی الواجدی ان لی اجازات عامۃ و خاصۃ فی الصحاح والمسانید والمعاجم و مؤطا الامام مالک و غیرھا من تصانیف العلماء الاعلام. وقد اجزت العالم الفاضل الشیخ محمد عبد المصطفیٰ القادری بجمیع ذالک راجیًا منہ ان لا ینسانی من دعائہ بظھر الغیب و فی مظان الاجابۃ۔ واتحفہ بسند لی فی مؤطا الامام مالک و سند فی صحیح البخاری اما المؤطا فحدثنی بہ شیخنا العلامۃ الفقیہ المحدث الصوفی الشیخ محمد بن محمد بن عبد القادر القرشی المالکی المتوفی عام (۱۳۶۸) اجازۃ فیما کتبہ الی من مدینۃ فاس سنۃ (۱۳۵۲)

قال رحمه الله تعالى روايته عن شيخنا شيخ الاسلام خاتمة المحدثين بالديار المغربيه في وقته الشيخ الثبت المعمر المحدث ابى العباس سيدى احمد بن الطالب القرشى السودى المتوفى عام (١٣٢١) عن (٨١) سنة عن شيخه شيخ الجماعة العلامة المحدث المشارك سيدى بدر الدين الحموى المتوفى عام (١٢٦٤) عن شيخه شيخ الجماعة شيخ الاسلام سيدى التاودى بن سيدى الطالب القرشى السودى المتوفى سنة (١٢٠٩) عن شيخه شيخ الاسلام العلامة المحدث سيدى محمد بن عبد السلام بنانى عن شيخه شيخ الاسلام العلامة المحقق المحدث سيدى محمد فتحا بن عبد القادر الفاسى المتوفى عام (١١١٦) عن والده البحر الخضم شيخ الاسلام والجماعة سيدى عبد القادر بن على بن يوسف الفاسى المتوفى عام (١٠٩٦) عن عمه العارف الكبير ابى زيد سيدى عبد الرحمن بن محمد الفاسى المتوفى عام (١٠٣٦) عن الامام القصار المتوفى عام (١٠١٢) عن الجنوى عن سقين العاصمى عن الشيخ زكريا الانصارى عن ابى الفرات عن بن جماعة عن ابى جعفر بن الزبير عن ابى الخطاب بن خليل عن ابن زرقون عن الخولانى عن الطلمنكى عن ابى عيسى يحيى الليثى المغربى الاندلسى عن الامام مالك بن انس رضى الله تعالى عنه۔

واما صحيح الامام البخاری

فقد قال شيخنا العلامة المذكور له فيه روايتان

رواية سندها عال والثانية سندها نازل وذكرهما لى معًا و
انى اقتصر له على التى سندها عال فاقول حدثنى به شيخنا العلامة
المحدث المحقق الصوفى محمد بن محمد بن عبد القادر القرشى
السودى فيما كتبه الى من مدينة فاس عام (١٣٥٢) اجازة قال
رحمه الله اى ديها عن شيخنا المعمر الثبت شيخ الاسلام
سيدى احمد بن سيدى الطالب القرشى السودى المتقدم
ذكره قرأت عليه الصحيح وسردته له (٩) سنوات بضريح مولنا
ادريس بن ادريس بفاس وبالزاوية الحراقيه بالمخفية
بفاس قال اخبرنا شيخنا شيخ الاسلام مصطفى بن محمد المالكى
المعروف بالكبابطى الجزائرى منشأً الاسكندرانى موطنًا المتوفى
عام (١٢٦٩) الاسكندرانية واجتمع به شيخنا هناك عند حجته
الاولى عام (١٢٦٣) قال اخبرنا شيخنا شيخ الاسلام على العدوى
الصعيدى المالكى المصرى المتوفى عام (١١٨٩) قال اخبرنا شيخنا
شيخ الاسلام الشيخ عقيلة المكى قال اخبرنا شيخ الاسلام الشيخ
احمد بن محمد العجلى اليمنى وكان عاش (١٢٠) سنة قال اخبرنا
شيخنا الحافظ ابو زكريا يحيى بن مكرم الطبرى - قال اخبرنا البرهان
ابراهيم بن محمد بن صدقة الدمشقى - قال اخبرنا شيخنا الشيخ

عبد الرحمن بن عبد الاول الفرغانی وکان عاش (۱۴۰) سنۃ۔ قال
اخبرنا شیخنا ابو عبد الرحمن محمد بن شاذ بخت الفارسی الفرغانی
وکان عاش (۱۳۰) سنۃ۔ قال اخبرنا شیخنا احد الابدال بسمرقند
الشیخ ابو لقمان بن عمار بن مقبل بن شاھان الختلانی وکان عاش
(۱۴۳) عاماً۔ قال اخبرنا شیخنا الحافظ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف
بن مطر بن صالح الفربری۔ قال اخبرنا شیخنا الحافظ ابو عبد اللہ
محمد بن اسمٰعیل البخاری الجعفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

صح مابعالیہ کتبہ الفقیر الی
مولاہ محمد العربی بن التبانی
الجزائری تجاوز اللہ عن سیئاتہ
۷ محرم الحرام ۱۳۶۹ھ

حضرت مولانا السید علوی عباس المالکی۔ اور حضرت مولانا محمد بن العربی الجزائری المالکی دامت معالیہم نے حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم کو جواب میں جو خط تحریر فرمایا اس میں یہ لکھا کہ اس نوجوان صالح (عبد المصطفےٰ اعظمی) نے مکہ مکرمہ میں آپ اور مولانا الشیخ احمد رضا خاں الہندی کی یاد کو تازہ کر دیا۔ اور ان دونوں بزرگوں نے خط کے علاوہ کتابوں اور کھجوروں کا تحفہ بھی حضرت مفتی اعظم ہند صاحب قبلہ کے پاس میرے ذریعے بھیجا۔ جو میں نے جہاز سے اتر کر بمبئی ہی میں حضرت

اقدس کی خدمت مبارکہ میں پیش کر دیا۔

مولانا ضیاء الدین الہندی مہاجر مدنی

مدینہ منورہ میں چونکہ صرف بارہ دن ہی حاضری کا موقع ملا اسلئے میں نے یہاں کے لوگوں سے بہت کم ملاقات کی۔ اور یہی کوشش کرتا رہا کہ زیادہ سے زیادہ یہ وقت عزیز مواجہۂ اقدس اور روضۃ الجنۃ میں گزرے۔ کیونکہ یہاں کی حاضری کا ایک ایک منٹ میری زندگی کی وہ انمول ساعتیں ہیں کہ جن کو اگر میں اپنی عمر کا حاصل زندگی کہہ دوں تو یہ بھی اظہار حقیقت سے کچھ کم ہی ہوگا۔ مگر پھر بھی یہاں کے دو بزرگوں سے چند مختصر ملاقاتوں کا موقع مل گیا۔ حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب ہندی مدظلہ العالی اعلیحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جلیل القدر خلیفہ ہیں۔ پنجاب کے رہنے والے ہیں مگر پچاس برس سے مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔ نہایت معمر و با اخلاق بزرگ ہیں ان کے نام بھی حضرت مفتی اعظم ہند کا گرامی نامہ تھا جسکو لیکر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مجھ پر بہت شفقت فرمائی۔ پہلی ملاقات میں اپنے دست مبارک سے شربت عنایت فرمایا۔ میری دلچسپ باتوں سے بہت مسرور ہوتے تھے۔ میں مسجد نبوی شریف میں الگ جماعت سے نماز پڑھتا تھا اس سے بہت فکر مند رہتے تھے کہ کہیں نجدی حکومت گرفتار نہ کرے۔ مگر الحمد للہ کہ ستاون نمازیں خاص جنت کی کیاری میں ہم لوگوں نے جماعت سے پڑھیں مگر کسی نے ہم سے پوچھا بھی

نہیں کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟ اپنے ساتھ حضرت مجھے ایک میلاد شریف میں لے گئے جہاں حضرت شیخ الدلائل علامہ باشلی مدنی سے میرا تعارف فرمایا۔ میری معرفت حضرت مفتی اعظم ہند کے لئے نور المدینہ کا تحفہ بھیجا۔

شیخ الدلائل السید یوسف بن محمد بن علی الباشلی التحریری المدنی

یہ ایک نحیف الجثہ نہایت معمر بزرگ ہیں۔ ان سے پہلی ملاقات مجلس میلاد شریف میں ہوئی۔ جہاں آپ کی زبان مبارک سے قصیدۂ بردہ شریف ... کی سعادت حاصل ہوئی۔ دوبارہ ملاقات کے لئے میں دولت خانے ... بیحد کرم فرمایا۔ قصیدۂ بردہ شریف اور دلائل الخیرات شریف تمام نسخوں کے ساتھ آپ کو زبانی حفظ ہے۔ آپ کی ذات اہل مدینہ کے اخلاق کا سچا نمونہ ہے۔ مجھ فقیر کو آپ نے بھی دلائل الخیرات کی ... ت تحریری عطا فرمائی۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا ... کی دعا بھی فرمائی۔

سند اجازت دلائل الخیراتؒ

از شیخ الدلائل علامہ یوسف بن محمد بن علی الباشلی الحریری المدنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صلی اللہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم۔ حمداً لمن
اکرم بمتصلات نعمائہ حامدہ واجازہ۔ وشکراً لمن جعل
مسلسلات الائہ لشاکرہ اجازۃ۔ وصلاۃ وسلاما علی الذی
جعلت الصلاۃ علیہ من اوضح دلائل الخیرات وا ل
الائمہ الھداۃ۔ وبعد فان الصالح الاسنی والبرکۃ العظمی
اخانا وحبیبنا فی اللہ الراکع الساجد مولنا محمد عبد المصطفی
الشیخ عبد الرحیم سألنی ان اجیزہ بدلائل
عن الائمۃ الثقات فاستخرت
ھو انی ارویھا عن
ملک باشلی عن
ملک باشلی
سندہ العارف
شریف الحد

المثنى عن شيخه سيدى احمد بن الحاج عن شيخه سيدى
احمد المقرى عن سيدى عبد القادر الفاسى عن سيدى احمد
بن ابى العباس الصمعى عن سيدى السملالى عن سيدى
عبد العزيز التباع عن مؤلفها ابى عبد الله سيدى ومولائى
السيد محمد بن السيد سليمان الجزولى الشريف الحسنى القطب
الربانى رحمه الله تعالىٰ ونفعنا به وبهم اجمعين امين ـ واوصيه
بما اوصى به نفسى من ملازمة التقوى فى السر والنجوى وان لا
ينسانى من صالح دعواته فى جميع اوقاته خصوصًا عند عاقبة
اياى ووالدى واشياخى واحبابى وجميع المسلمين قال
بلسانه ورقم ببنانه العبد المفتقر الى فيض الله الغنى العلى
يوسف بن محمد بن على بن يوسف ملك باشلى المدنى برزه ١١، ١٩
منى ونحن بالمدينة المنورة على ساكنها افضل
السلام وذالك فى عام الف و ...
محرم الحرام والله الموفق
العظيم وصلى الله تعالىٰ

شجرۂ نقشبندیہ منظومہ

یاالٰہی رحم فرما مصطفیٰ[۱] کے واسطے
حضرت بوبکر[۲] با صدق وصفا کے واسطے

بہر سلمان[۳]، قاسم[۴] وجعفر[۵]، بحق بایزید[۶]
بوالحسن[۷] اور بوعلی[۸] باخدا کے واسطے

خواجہ یوسف[۹]، عبدِ خالق[۱۰]، عارف[۱۱] ومحمود[۱۲] حق
شہ عزیزان علی[۱۳] صدر العلا کے واسطے

باباسماسی[۱۴] محمد، سیدِ میر[۱۵] کلال
شہ بہاء الدین[۱۶]، امام الاولیاء کے واسطے

شیخ علاء الدین[۱۷] ویعقوب[۱۸] وعبیداللہ[۱۹] ولی
خواجہ زاہد[۲۰] شاہ درویشِ[۲۱] خدا کے واسطے

باقی[۲۳] بحق
ت احمد مجدد[۲۴] حق نما کے واسطے

یارسا کے واسطے

مقتدیٰ کے واسطے